اسلام زندہ کیوں؟
مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی
دارالاحیاء

اِسلام زدیہ کیوں؟

تصنیف

مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

دار الاحیاء

عکس فکر

اِمامِ اعظم، مجتہد مطلق ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ

اِمامِ اہلِ سُنّت ابو منصور محمّد بن محمّد ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام والمسلمین امام محمّد بن محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

خاتم الولایۃ المحمدیہ، شیخ اکبر محی الدین محمّد ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

امامِ ربانی، مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

مسند الہند، اِمامِ اِنقلاب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ضابطہ و دستور

سلسلۂ مطبوعات

کتاب	اِسلام زد پہ کیوں؟
مصنف	مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی
حسب ارتضا	محمّد رضاء الحسن قادری
مؤسس و مدیر	محمّد وسیم رضا
قانونی مشیر	محمّد عرفان ملک ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
سنۂ طباعت	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/فروری ۲۰۱۶ء
قیمت	350 روپے

پتہ برائے خط وکتابت

محمّد وسیم رضا، لائبریری انچارج جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور

malikwaseemraza@gmail.com 0303-4061431 0343-0738816

www.facebook.com/waseemraza

شرف انتساب

قبولیتِ حق وصداقت کے لیے

ہمہ وقت

دلوں کے دروازے

کھلے رکھنے والوں

کے نام

غلام زرقانی قادری

○○○

مشمولات

دوسری جھلک

تیسری جھلک

چوتھی جھلک

پانچ ویں جھلک

چھٹی جھلک

ساتویں جھلک

OOO

عَرضِ ناشر

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لیے
زمانہ کچھ نہیں کرتا کبھی کسی کے لیے

اوراقِ تاریخ کو پلٹ کر دیکھ لیں، گزشتہ ادوار کے احوال و آثار پر نظر کرلیں، آسمان کی بلندیوں کو چھو کر یا زمین کی گہرائیوں میں گم ہو کر تحقیق و تفتیش کرلیں مشاہدات و تجربات کی روشنی میں یہ حقیقت نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے گی کہ

نتیجۂ زندگانی ہے کچھ دنیا میں کرجانا
خیالِ موت ہے بے جا' وہ جب آئے تو مرجانا (جگر)

بل کہ حالی کی درد بھری تنقید میں کہوں تو یوں ہوگا کہ

جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جیے تو کیا جیے

سطحِ زمین پر لاکھوں تحریکیں' ہزاروں اِدارے بنے اور بن رہے ہیں، افکار و نظریات میں ہر دن تنوع پیدا ہو رہا ہے، کرۂ ارض پر کئی تہذیبیں معرضِ وجود میں آئیں؛ ہندوستانی تہذیب، رومی تہذیب، ایرانی تہذیب، مصری تہذیب اور دوسری چھوٹی بڑی تہذیبیں؛ ان میں سے ہر ایک تہذیب نے کئی کئی تحریکیں، اِدارے اور تھنک ٹینکس بنائے، لیکن مرورِ ایام نے صفحۂ ہستی سے ان کے وجود کو ایسے دھندلا دیا گویا وہ تھے ہی نہیں، مگر ان کے افکار و نظریات آج بھی کسی نہ کسی شکل میں زندہ اور رائج ہیں۔

صفحاتِ عالم میں یہ تہذیبیں محض تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئیں، مگر جب ایک مؤرخ ان تہذیبوں کے عروج و زوال کے اسباب کا تجزیہ کرتا ہے تو نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ''قوموں کا

عروج و زوال فکری و نظری عروج و زوال پر منحصر ہے۔'' اگر کسی قوم کے علمی و فکری عناصر مضبوط ہوں گے تو وہ ہزاروں سال تک حکومت کر سکتی ہے، اور اگر اس کا اقتدار ختم بھی ہو جائے تو ذہنوں پر سے اس کے اثرات ختم نہیں ہو سکتے۔ دوسرے لفظوں میں اگر کسی قوم کو شکست و ریخت سے دوچار کرنا ہو تو فقط ان عناصر کو کمزور کر دیا جائے، وہ قوم زیادہ دیر تک اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گی۔ یہاں اِس بات کی تشریح کی حاجت نہیں ہے کہ فکری و علمی ارتقا کی مستحکم شکل اِداروں کی صورت میں ہوتی ہے۔ اب اِداروں کا مفاد قومی مفاد ٹھہرا اور اِداروں کا نقصان قومی نقصان قرار پایا۔ قوموں میں تنوع اداروں کے ذریعے سے پیدا ہوتا ہے، قوموں کا مزاج اداروں کا مزاج ہوتا ہے، قوموں کا عروج و زوال بھی اداروں کا مرہونِ منت ہوتا ہے، اداروں کے افکار و نظریات قوموں کو پیدا کرتے ہیں، اداروں کی وجہ سے تہذیبیں اور قومیں معرضِ وجود میں آتی ہیں، اِداروں میں تنزلی قوموں کو شکست سے دوچار کر دیتی ہے، اِدارتی کش مکش سے قومی زوال شروع ہو جاتا ہے، ادارتی جنگیں داخلی اور خارجی جنگوں کا ہراول دستہ بنتی ہیں، قومی انتشار و افتراق اداروں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر اِدارے درست سمت میں چل رہے ہوں تو قوم کا قبلہ بھی درست ہوتا ہے، تعلیم و تعلّم، قومی و بین الاقوامی تعلق، معیشت، معاشرت، سماج، فکر و عقیدہ، علم و عمل، ترقی، عدل، فوج، جدت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں سے ہر شعبہ اپنے صحیح مفادات میں اس وقت صحیح کام کرے گا جب ان کے ادارے صحیح نہج پر کام کر رہے ہوں گے۔

اِس وقت مسلم اُمہ کے زوال کی بہت بڑی وجہ اِداروں کی حالت زار ہے۔ ادارتی کش مکش نے امت کے مفکرین کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے کہ جہاں پر ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ طاقت و نظریے کی جنگ میں وہ کس کا ساتھ دے رہے ہیں، داخلی اور خارجی عوامل نے امت کے دانش ور طبقہ کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ از سرِ نو اسلامی علوم و معارف، اسلامی افکار و نظریات سے لوگوں کو آگاہ کریں، دعوتِ دین کے جدید طریقوں سے مسلح ہو کر سیکولر اور لبرل نظام کے خلاف صف بستہ ہوں، تصوفِ اِسلامی کی حقیقی تعلیمات سے لوگوں کو آشنا کریں، تا کہ صوفی ازم کی غیر اِسلامی شکل کو واضح کیا جا سکے،

فکر و عقیدہ کی پیچیدگیوں اور لطافتوں کو اس انداز سے حل کریں کہ اسلام کی حقیقی روح مسخ نہ ہونے پائے اور امت کا بکھرا ہوا شیرازہ بھی متحد کیا جا سکے، مستشرقین، مستغربین اور مستعربین کی علمی، فکری اور نظریاتی کاوشوں کو تحقیق و تدوین کے مسلمہ اصولوں کی میزان میں پرکھا جا سکے، علومِ عقلیہ و نقلیہ کی حدود و قیود کا تعین کر کے اس بات کو واضح کیا جا سکے کہ سائنس اور فلسفہ اسلام کے کیوں کر حامی ہیں اور اِسلام سائنس و فلسفہ کی حمایت کس نہج پر کرتا ہے، جدلیاتی، مناظراتی ماحول کو کم کر کے مباحثاتی اور مکالماتی رویوں کو پروان چڑھایا جائے، نصابِ تعلیم میں بہتری کی کاوشوں کو مزید تقویت دے کر دینی طلبہ کے لیے جدید تعلیم کے مواقع فراہم کیے جائیں، دینی درس گاہوں کا واقعی مزاج کیا ہونا چاہیے اور ان کے کام کرنے کے طریقے کیا ہیں، ان کے بارے میں خدشات و دفعات کا دفاع کیا جا سکے، یہ اور اس طرح کے دیگر اہم امور جو عصر حاضر کے سلگتے ہوئے موضوعات ہیں، جن کا مؤثر حل تلاش کرنا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں، بل کہ اِداروں کا ہی کام ہے۔

انھی موضوعات پر غور و فکر کی غرض سے اور علمی و سنجیدہ لٹریچر کی اِشاعت کے لیے، ہم نے دار الاحیا کے نام سے ایک ادارہ کی بنیادی رکھی ہے، جس کے مقاصد واضح ہیں۔ دار الاحیا اپنے فکری دستور، علمی منشور اور نظریاتی منہاج کے اعتبار سے مکتب فکر و دانش، مرکز علم و تحقیق، مدرسۂ عقل و نقل ایک ادارہ، ایک تحریک، دار النشر والتوزیع کا حامل ہے۔ فکری، نظریاتی، اعتقادی، تشریعی، قانونی، اکانومی، سیاسی اور معاشرتی علوم میں سے ہر ایک پر تحقیقی لٹریچر شائع کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ امت کے مختلف فیہ مسائل میں قانونِ تطبیق اور قانونِ تفریق کو بہ روئے کار لا کر صحیح منہج کے تعین کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ ادارہ ہمیشہ اسلامی تہذیب و تمدن کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے کوشاں رہے گا۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارہ کی پہلی علمی کاوش ممتاز ناقد و محقق، نام ور صحافی، نباض مفکر و قلم کار جناب مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب مدظلہ العالی کی مایہ ناز، روح پرور، دلائل و استدلالات کا مرقع، مشاہدات و تجربات سے مزین تصنیف ''اِسلام زد پہ کیوں؟'' پیش خدمت ہے۔ ہم نے حتی المقدور کتاب کے مشمولات کی طرح اسے خوب صورت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کے مندرجات پر مزید کچھ کہنا ضروری نہیں، کیوں کہ اس کا اندازہ قارئین پڑھ کر خود ہی کرلیں گے۔قبلہ ڈاکٹر صاحب نے جن موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے ان سے بعد والوں کے لیے راہیں کشادہ ہوں گی۔قبلہ ڈاکٹر صاحب کی خصوصی شفقت وعنایت ہے کہ انھوں نے اپنی اس کتاب کو دار الاحیا سے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔رب کریم کی توفیق شامل حال رہی تو حضرت کی دیگر کتب کو بھی شائع کیا جائے گا۔

آخر میں اپنے محسن و مشفق رفیق، قابل احترام صدیق جناب محمد رضاء الحسن قادری (مؤسس دارُ الاسلام) کا مشکور و ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی ذات پر مجھے ترجیح دی اور اس کتاب کی اشاعت کے جملہ مراحل میں میرا ساتھ یوں دیا کہ اپنے اور اِدارے کے کاموں میں فرق نہیں رکھا۔بارِ دیگر اپنے تمام محسنین کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ کی بارگاہ میں دعا گوں ہوں کہ اِدارہ کے رفقا کو اجر جزیل اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے اور اِدارہ کو اپنے مقاصد واہداف کو حاصل کرنے کی ہمت وطاقت دے!! آمین!

محمد وسیم رضا

منتظم لائبریری جامعہ نعیمیہ، لاہور

۲۵/۱/۱۶

آغازِیہ

زمانے سے یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ پھل دار درخت پر ہی پتھر پھینکے جاتے ہیں اور وہی شاخیں نیزے کی انی سے گھائل ہوتی ہیں، جو تر و تازہ ثمرات کے بوجھ سے جھکی رہتی ہیں۔اگر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے اور واقعی ہے بھی،تو کہنے دیا جائے کہ یہ کہاوت ''اِسلام'' اور ''مسلمانوں'' پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔

اور حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اِسلام کے پُرکشش، پاکیزہ اور روشن و تابناک چہرے کو دھندلا کرنے کی کوشش کرنے والے صرف غیر نہیں ہیں؛ بل کہ عصر حاضر کے بعض نام نہاد تعلیم یافتہ اپنے بھی غیروں کے افکار وخیالات، تنقیدات و اِتہامات اور تحقیقات و تنقیحات سے اس درجہ مرعوب دکھائی دیتے ہیں کہ دبی زبانوں میں انہیں کی بولی بولنے لگے ہیں اور انھیں اپنی حماقتوں کا ذرہ احساس تک نہیں ہے۔

ایسے حالات میں اِس بات کی شدید ضرورت تھی کہ عصر حاضر کے تناظر میں غیر جانب داری کے ساتھ اِسلامی تہذیب وتمدن پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے اور تقابلی مطالعہ کے پیرایۂ بیان میں ایک دستاویز لوگوں کے سامنے پیش کردیا جائے، تاکہ اِسلام پر تہمتیں لگانے والوں کی زبانیں حقانیت وصداقت کے سامنے گنگ ہوجائیں، جب کہ پیغامِ خداوندی پر ایمان ویقین رکھنے والوں کے کلیجے فرحت واِنبساط، خوشی ومسرت اور نعیم وسرور کی لذتوں سے شادکام ہوجائیں...... اِس طرح ایک طرف ذہنی تعطل کی گرہیں بھی کھل جائیں گی اور دوسری طرف قلبی غفلت کی بے اِعتدالیاں بھی درست ہوجائیں گی۔

اچھا پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ کتاب کا عنوان سوالیہ ضرور ہے، تاہم زیر نظر کتاب ممکنہ سوالات واِعتراضات کا بلاواسطہ جواب نہیں ہے، بل کہ حیرت واِستعجاب کے عالم میں ایک مظلوم کی صدائے دل نواز ہے، اور وہ بھی معترضین ہی کی خدمت میں ہے۔اس طرح

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب بہت حد تک اِلزامی جواب بھی ہے اور بالواسطہ سوال بھی۔

کتاب کے متنوع مباحث کی ترتیب کے لیے انھیں سات جھلکیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی جھلک ''عدل و اِنصاف''، دوسری ''شراب ومنشیات''، تیسری ''اخلاقی قدروں کا عروج''، چوتھی ''حسنِ معاملات''، پانچ ویں ''معاشیات''، چھٹی ''طرزِ حیات'' اور سات ویں ''جرم وسزا'' کے ناموں سے موسوم کی گئی ہیں۔

خیال رہے کہ مجھے یہ دعویٰ قطعی نہیں ہے کہ جو افکار وخیالات متذکرہ جھلکیوں کے جلو میں سجائے گئے ہیں، ان پر اس سے قبل اربابِ علم ودانش، اُمنائے فکر وآگہی اور اصحابِ قلم نے خامہ فرسائی نہیں کی ہے، بل کہ خوب کی ہے اور سیر حاصل کی ہے، تاہم مدعائے عرض صرف اِس قدر ہے کہ انھیں عصر حاضر کے تقاضوں سے تقابلی پیش کش کے ذریعہ بہت حد تک جدید ضرور بنا دیا گیا ہے.....اور کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اپنے آپ میں ایک عظیم مقصد ہے۔

متنوع موضوعات پر اور وہ بھی جدید معلومات کے تناظر میں، کچھ عرض کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے برسوں پہلے خاکہ تیار کیا اور رنگ بھرنے کے لیے دورانِ مطالعہ جب بھی کوئی بات زیرِ بحث موضوع کے لیے قیمتی محسوس ہوئی، اسے ایک علاحدہ قرطاس میں جمع کرتا رہا اور اب یہ ایک لڑی میں پرو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

اِمکان کی حد تک کوشش یہی رہی ہے کہ جو معلومات، امثلہ اور اِقتباسات نقل کی جائیں، وہ سب کی سب اُمہات کتب اور مصدقہ مصادر ومراجع سے ماخوذ ہوں، لیکن کبھی کبھی ناگزیر صورت حال میں مجھے برقی معلومات پر بھی کسی حد تک اِنحصار کرنا پڑا ہے، تاہم عہد حاضر کے تحقیقی اسلوبِ بیان کی رعایت کرتے ہوئے، اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ انٹرنیٹ سے حاصل شدہ معلومات مصدقہ ذرائع سے آرہی ہوں۔ مثال کے طور پر مغربی ممالک کے بعض سروے کے حوالے سے مندرج معلومات حکومتی سرپرستی میں جاری رہنے والے انٹرنیٹ سے لی گئی ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔

مجھے اِعتراف ہے کہ کہیں کہیں مَیں نے قدرے اِختصار کے ساتھ گفت گو کی ہے، جب کہ متعلقہ موضوع کے حوالے سے مزید دلائل و براہین، شواہد وقرائن اور اِستدلالات

پیش کیے جا سکتے تھے.....اور یہ اس وجہ سے کہ کہیں طوالتِ بحث کے پیچ وخم، نشیب وفراز اور بھول بھلیوں میں کتاب کا مقصد اصلی ہی قارئین کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اس لیے جب بھی یہ محسوس ہوا کہ زیرِ بحث موضوع کے حوالے سے مدعائے سخن پوری طرح اُجالے میں آچکا ہے، تو نوکِ قلم کی تیزی تھام لی اور فوراً دوسرے موضوع کی جانب سفر کا آغاز کر دیا۔

اِسی طرح کہیں کہیں مشہور ومعروف مصادر ومراجع کی اصل عبارتوں کے نقل کرنے کی بہ جائے خلاصۂ کلام پر اِکتفا کیا ہے، تا کہ ضخامتِ کتاب بلاوجہ میں بڑھ نہ جائے، جو عام قاری کے لیے باعثِ اُکتاہٹ ہو۔

مَیں صمیم قلب کے ساتھ علامہ نصیر احمد مصباحی مدرّس مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اِمعانِ نظر سے اِس کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔ اخیر میں اپنی شریکہ حیات کے لیے بھی دعائیہ کلمات کہ اُنھوں نے بچوں کی تربیت ونگہ داشت سے قیمتی لمحات نکال کر پوری توجہ سے کتاب کا مطالعہ کیا اور مفید مشورے بھی دیے۔

واہبِ لایزال سبھوں کو اجرِ عظیم کی دولت بے بہا سے شادکام فرمائے۔

غلام زرقانی

ہیوسٹن، امریکہ

۱۲/ نومبر ۲۰۱۴ء

OOO

پہلی جھلک:

نظامِ عدل و اِنصاف

اِسلام کے نزدیک عدل و اِنصاف کا جو تصور ہے، وہ سب سے جداگانہ ہے، بل کہ یہ کہنا واقعیت کی صحیح ترجمانی ہے کہ عدل و اِنصاف کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دامن اِسلام کے علاوہ کہیں اور جاے پناہ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ لغوی پیمانے پر جو عدل و اِنصاف کا درست ترین مفہوم ہو سکتا ہے، اسے اِسلام نے پیکرِ محسوس میں ڈھال کر ہماری نگاہوں کے سامنے مجسم کر دیا ہے۔ اب جو "عدل و اِنصاف" کا مفہوم جاننے کی خواہش رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ غیر جانب داری کے ساتھ اِسلام کے نظامِ عدل و اِنصاف کا مطالعہ کر لے، متذکرہ اِصطلاح کے سارے خد و خال آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جائیں گے اور کسی قسم کا کوئی اِلتباس، اِبہام اور شک و شبہہ باقی نہیں رہ جائے گا۔

یہاں اِسلام کے نظامِ عدل و اِنصاف کی تفصیلات بیان کرنا میرا ہدف نہیں کہ یہ بہ ذاتِ خود ایک مکمل کتاب کا موضوع ہے، تاہم زیرِ بحث موضوع کی مناسبت سے کچھ اہم گوشے قارئین کے سامنے رکھے جائیں گے اور تقریبِ فہم کے لیے انھیں چند ذیلی عنوانات کے تحت بیان کیا جائے گا، تا کہ ممکنہ ہدف تک بہ آسانی رسائی ہو سکے۔

قانون کی بالادستی

اِسلامی شریعت نے جو ضابطے بنائے ہیں، وہ سب کے لیے عام ہیں۔ قوانین و ضوابط کے پس منظر میں مرد و عورت، امیر و غریب، کالے و گورے اور شہری و اربابِ اِقتدار کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ عقوبات کے پس منظر میں جرائم اور

وارداتکے مرتکبین کی حیثیت پر نگاہ نہیں رکھی جائے گی، بل کہ صرف نفس عمل پر توجہ رہے گی اور ہر ایک کو وہی سزا دی جائے گی، جو کسی بھی دوسرے کے لیے طے شدہ ہے۔

متذکرہ خصوصیت کے حوالے سے وہ واقعہ سنتے چلیے، جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ قریش یہ جان کر سخت افسردہ تھے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی ہے اور اجراے سزا کی صورت بنتی جا رہی ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ کے چہیتے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے۔ چناں چہ وہ جیسے ہی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، سرکارِ دوعالم ﷺ سے مقصد آمد خفیہ نہ رہ سکا اور فرمایا کہ اے اسامہ! مجھ سے سفارش نہ کرنا، کیوں کہ جب حدود جاری کرنے والے معاملات مجھ تک پہنچ جائیں، تو پھر انھیں درگزر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

”ایها الناس! انما اهلك الذين قبلكم، انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه، و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد، وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها...“ [1]

”اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اِس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب اُن میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا، تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب اُن میں سے کوئی کم زور چوری کرتا، تو اس پر حد قائم کرتے، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی، تو مَیں اُس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔“

دیکھ رہے ہیں آپ! کس قدر واضح ترین لفظوں میں واردات کے پس منظر میں اپنوں اور غیروں کے درمیان کسی بھی طرح کی تمیز نہ کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے، اور وہ بھی مثال خود اپنے گھر کی پیش کی جا رہی ہے، تا کہ کسی بھی قسم کا کوئی اِبہام باقی نہ رہ جائے۔ معاملہ کی نزاکت اور حساسیت کا اندازہ اِس امر سے لگائیے کہ متذکرہ واقعہ کی بعض روایت

[1] مسلم: امام مسلم، ج:۱۱، ص:۱۵۵

میں یہ اِضافہ بھی ہے کہ جب حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت عالیہ میں سفارش کے لیے حاضر ہوئے اور مدعاے کلام عرض کر چکے، تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اِظہارِ ناپسندیدگی کے آثار صاف دکھائی دینے لگے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جو عام حالات میں حد درجہ ملائمت، خوش طبعی اور مسکراتی ہوئی وضع داری کے ساتھ رہنے کا عادی ہو، وہ اِستثنائی حالات میں غیظ وغضب کی تصویر بن جائے، تو بلا شبہہ یہ معاملہ کی اِنتہائی اہمیت پر صریح دلالت سے تعبیر کیا جائے گا۔

یہاں پہنچ کر یہ کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا کہ مذہب اِسلام میں قانون کی گرفت کے دائرے سے کوئی بھی باہر نہیں، حتی کہ وہ اربابِ حکومت کے اہل خانہ ہی کیوں نہ ہوں، بل کہ خود اربابِ حکومت بھی ماوراے قانون نہیں، بل کہ ضوابط وقوانین کے زیر نگیں تصور کیے جاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دربارِ قاضی میں:

بات نکلی ہے تو تاریخ اِسلامی کا وہ واقعہ بھی سماعت کر لیجیے، جسے متعدد کتبِ تاریخ وسیر میں نقل کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کی زرہ کھو گئی۔ ایک دن وہ بازار سے گزر رہے تھے، تو دیکھا کہ ایک نصرانی وہاں زرہ فروخت کر رہا ہے۔ آپ قریب گئے اور اپنی زرہ پہچان لی۔ اُنھوں نے نصرانی سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ نصرانی نے صاف اِنکار کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گو کہ خلیفہ وقت ہیں، تاہم اُنھوں نے شریعت اِسلامیہ کی پاسداری کرتے ہوئے راے دی کہ پھر اپنے مسئلہ کے حل کے لیے قاضی وقت کے دربار میں چلو۔ لہٰذا دونوں قاضی شریح بن الحارث کے دربار میں آئے۔ اُنھوں نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ کی وضاحت چاہی۔ آپ نے بیان دیا کہ یہ زرہ میری ہے، جو کچھ دنوں قبل مجھ سے کھو گئی تھی۔ اس کے بعد اُنھوں نے نصرانی سے اُس کی راے لی۔ وہ کہنے لگا کہ امیر المومنین جھوٹ کہہ رہے ہیں اور یہ زرہ میری ہے۔

قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منصبِ خلافت و اِمارت کی قطعی کوئی پروا نہیں کی اور قوانین وضوابط قضا کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین دو گواہ پیش کریں،

کیوں کہ کسی دلیل اور شہادت کے بغیر یہ زرہ آپ اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے بلاشبہ سچ کہا ہے۔

چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام اور اپنے بیٹے حسن کی شہادت پیش کر دی۔ قاضی شریح نے کہا کہ آپ کے غلام کی شہادت مَیں قبول کیے لیتا ہوں، تاہم باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی۔

نصرانی نے جب عدل و اِنصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے، تو وہ پکار اُٹھا کہ خدا کی قسم اے امیر المومنین! یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ آپ کے اونٹ سے وہ گر گئی تھی اور مَیں نے اسے اُٹھا لیا تھا۔ سلسلۂ گفت گو دراز کرتے ہوئے وہ کہنے لگا کہ یہ بات میرے لیے بہت عجیب و غریب ہے کہ دین اِسلام کے سائے میں وقت کے خلیفہ کو بھی عدل و اِنصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے دارُ القضا آنے کی حاجت پڑتی ہے اور اپنے خلاف دیے گئے قاضی کے فیصلے کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنا پڑتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ حلقۂ اِسلام میں داخل ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں ساری زندگی نچھاور کر دی، یہاں تک کہ وہ جنگِ صفین میں لڑتے ہوئے جام شہادت سے سرفراز ہوا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصفیہ کے لیے حَکَم بنایا:

حضرت شعبی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کسی سے دیکھنے کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور اس پر سوار ہو کر چلے۔ تھوڑی ہی دیر میں گھوڑے پر تکان کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ وہ گھوڑا واپس لے لے اور ادا کی ہوئی رقم واپس کر دے، تاہم وہ اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ آپ نے مسئلہ کے تصفیہ کے لیے کسی کو حَکَم بنانے کی رائے دی۔ اُس نے کہا کہ جناب شریح بہتر رہیں گے۔ آپ نے اِستفسار فرمایا کہ کون قاضی شریح ہیں؟ جواب دیا کہ شریح عراقی۔ بہ ہر کیف دونوں جناب قاضی شریح بن الحارث کے پاس آئے۔ پورے معاملہ کی سماعت کے بعد

[1] دیکھیے؛ تاریخ دمشق: امام ابن عساکر، ج:۲۴، ص:۱۶۸

حضرت شریح نے فیصلہ کیا کہ اے امیر المومنین! آپ گھوڑا واپس کر دیجیے اور اپنی ادا کی ہوئی رقم واپس لے لیجیے۔ [1]

بارِ خاطر نہ ہو تو متذکرہ روایت کا آخری حصہ دوبارہ پڑھیے اور توجہ دیجیے کہ جناب قاضی شریح بن الحارث نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس لقب کے ساتھ یاد کیا ہے؟ کس قدر صاف و شفاف ہے لب و لہجہ کہ اے امیر المومنین۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ واقعہ کس عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات ان کے اپنے عہد خلافت سے متعلق نہ ہوتی، تو شاید یہ کسی خاص توجہ کی مستحق نہ تھی کہ جب بھی دو افراد کے درمیان کسی معاملہ میں باہمی اِختلاف ہو جائے، تو اسے سلجھانے کے لیے کسی تیسرے کو حَکَم بنا کر ہی عام طور پر مسئلہ حل کیا جاتا ہے، تاہم یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب سارے عالم اِسلام پر قوت و اِقتدار کی باگ ڈور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور پھر یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ تاریخ اِسلامی میں آپ کو سخت گیر خلفائے اِسلام میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے میں خلیفۂ وقت کی رائے تسلیم نہ کرنا اور خلیفۂ وقت کا اپنے باہمی اِختلاف کے تصفیہ کے لیے حَکَم بنانے پر خندہ پیشانی کے ساتھ اِتفاق کر لینا، کوئی عام بات نہیں۔ ایسی سینکڑوں مثالیں تاریخ اِنسانیت کے صفحات میں موجود ہیں کہ جن سے آفتابِ نیم روز کی طرح یہ عیاں ہے کہ شوکت اِقتدار کے نشے میں اربابِ حکومت نے اپنے ماتحتوں کے اِعتراضات پر انھیں کچل کر رکھ دیا ہے، تاہم یہاں عالم اِسلام کے وسیع و عریض علاقے پر حکومت کرنے والے خلیفۂ وقت شرعی ضابطے کی چوکھٹ پر بہ سرو چشم جھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور چہرہ پر آثارِ شکن تک نہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قصاص کے لیے تیار:

دامن اِسلام میں قانون کی بالادستی کے حوالے سے چند نمونے ملاحظہ کر لینے کے بعد یہ جان کر حیرت بالائے حیرت ہوگی کہ اِجرائے قانون کا یہ سلسلہ صرف خلفائے راشدین تک ہی محدود نہیں رہا، بل کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین اِسلام کی صفیں درست کر رہے تھے۔

[1] البدایہ والنہایہ: شیخ ابن کثیر، ج:۹، ص:۲۲

آپ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا، جس کے اشارے سے صف شکنی کرنے والوں کو تنبیہ کرتے جاتے۔ جب آپ صفوں کے درمیان سے گزر رہے تھے، تو دیکھا کہ حضرت سواد بن غزیؓہ صف سے قدرے آگے ہیں، آپ نے تیر سے کچوکا لگاتے ہوئے حکم دیا کہ وہ سیدھے کھڑے ہو جائیں۔ وہ سیدھے تو ہو گئے، تاہم عرض گزار ہوئے کہ مجھے تیر سے تکلیف پہنچی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کو عدل و اِنصاف کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا مجھے بدلہ لینے کی اجازت دیجیے۔ پیکرِ عدل و اِنصاف نے اسے گستاخی اور بے ادبی پر محمول نہیں کیا، بل کہ خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی زرہ کے بند کھولے اور یہ کہتے ہوئے اپنی قمیص مبارک اٹھادی کہ وہ آئیں اور بدلہ لے لیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے، رسالت مآب ﷺ سے بغل گیر ہوئے اور فرطِ عقیدت سے شکم مبارک چوم لیا۔ آپ ﷺ نے اِستفسار فرمایا کہ اُنھیں کس بات نے اِس اِقدام پر برانگیختہ کیا۔ اُنھوں نے جو جواب دیا، وہ خود اُن کے الفاظ میں سماعت کیجیے:

"یا رسول اللّٰه! حضر ما ترٰی، فاردت ان یکون اخر العهد بك ان یمس جلدی جلدك" (1)

"یا رسول اللہ! جو مرحلہ ہمیں درپیش ہے، وہ آپ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، لہٰذا میری آرزو تھی کہ آخری لمحات میں میری جلد آپ کی جلد سے چھو جائے۔"

ماتھے کی کھلی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیے کہ میدانِ جنگ کے سپہ سالارِ اعظم سے ایک ادنیٰ سپاہی بدلہ لینے کا مطالبہ کررہا ہے اور آپ ﷺ کشادہ قلبی کے ساتھ خود کو قصاص کے لیے پیش کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ یہ ہے یکتائے روزگار پیمانۂ عدل و اِنصاف، جس کی نظیر دُنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اچھا پھر، مذکورہ واقعہ کا یہ پہلو تو بہت واضح ہے، تاہم اسی کے بطن سے ایک خموش پیغام کی بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ پیغمبر اِنسانیت ﷺ نے دینِ اِسلام کی ایسی تصویر اپنے اصحاب کی نگاہوں کے سامنے رکھ دی تھی کہ جس نے ہر شخص کو اپنے اُمرا سے مطالبہ حق و اِنصاف کا حوصلہ عطا کر دیا۔ لہٰذا کہنے دیا

(1) سیرتِ ابن ہشام، ج:۳، ص:۶۷ - مجمع الزوائد: شیخ علی الهیشمی، ج:۶، ص:۴۵۲

جائے کہ رحمتِ دو عالم ﷺ خود اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر کے ہمیں تجرباتی طور پر عدل و اِنصاف کے اعلیٰ ترین مفہوم سے روشناس کرا گئے۔

عالمی پیمانۂ عدل و اِنصاف کی ایک جھلک

اِسلامی قانون کے سائے میں عدل و اِنصاف کی عمومیت کے جلوے آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں۔ بہتر ہے کہ اب ہم عہدِ حاضر میں قابلِ قدر نگاہوں سے دیکھے جانے والے دوسرے قوانین و ضوابط پر بھی ایک سرسری نگاہ دوڑا لیں۔ ظاہر ہے ملوکیت، ڈکٹیٹرشپ اور فوجی حکومت کو تو لوگ ویسے ہی جبر و قہر، ظلم و ستم اور آزادیِ اِنسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں، اِس لیے ایسے ممالک کی مثالیں میری نگاہ میں بہت زیادہ مفید نہیں ہو سکتی ہیں، تاہم جنھیں جمہوریت، آزادیِ اِظہارِ رائے اور عدل و اِنصاف کی بالا دستی کا بڑا زعم ہے، ہم ان کے چہرے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔

عہدِ حاضر کی جمہوریت میں "حصولِ اِستثنا" کی اِصطلاح عام طور سے استعمال کی جاتی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ سربراہِ مملکت کے اِختیارات اور کارگزاریوں کو اس کے عہدِ حکومت کے دورانِ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے۔ متذکرہ پس منظر میں دُنیا کے ہر ملک کے قوانین و ضوابط کی تفصیلات پیش کرنا خاصا مشکل امر ہے، اِس لیے ہم یہاں صرف دُنیا کی سب سے بڑی جمہوریت "ہندوستان" اور جمہوریت کی سب سے بڑی دعوے دار حکومت "برطانیہ" کے مروّجہ قانون کی مثالیں پیش کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔

ہندوستانی قانون

"Article 361 in The Constitution Of India 1949

361. Protection of President and Governors and Raj pramukhs

(1) The President, or the Governor or Raj pramukh of a State, shall not be answerable to any court for the exercise and performance of

the powers and duties of his office.........

(2) No criminal proceedings whatsoever shall be instituted or continued against the President, or the Governor of a State, in any court during his term of office.

(3) No process for the arrest or imprisonment of the President, or the Governor of a State, shall issue from any court during his term of office." [1]

''صدر، گورنر اور اعلیٰ حکام کے تحفظ کے حوالے سے ہندوستانی قانون ۳۶۱

۱- صدر، گورنر اور ملک کے اعلیٰ حکام اپنے اِختیارات و اِقدامات کے لیے کسی بھی عدالت میں جواب دہ نہیں ہوں گے.......

۲- مجرمانہ کارروائی، خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو، صدر اور صوبائی گورنر کے خلاف ان کے عہدِ عمل میں نہیں چلائی جاسکتی ہے۔

۳- صدر اور صوبائی گورنر کی گرفتاری کے لیے ان کے عہدِ عمل میں کسی بھی عدالت سے کوئی نوٹس نہیں جاری کیا جاسکتا ہے۔''

یہاں یہ خیال نہ رہے کہ صدر اور گورنر چوں کہ نہایت ہی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، اس لیے قانون شکنی کے اِمکانات قطعی معدوم ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۵ء کے دوران ایمرجنسی کے نفاذ کے لیے کیبنٹ کی میٹنگ کے اِنعقاد سے پہلے ہی صدر فخرالدین علی احمد نے حکم نامے پر دستخط کردیے۔ ۱۹۸۴ء میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد پارلیمانی کمیٹی کے ذریعہ لیڈر چنے جانے سے پہلے ہی صدر گیانی ذیل سنگھ نے راجیو گاندھی کو ملک کا وزیر اعظم مقرر کردیا۔ ۱۹۹۶ء میں صدر کے آر نارائنن نے شریمتی سونیا گاندھی کو حکومت سازی کے لیے عام طور پر دیے جانے والے وقت سے زیادہ مہلت دی۔ اِسی طرح صدر اے پی جے

[1] سنٹرل گورنمنٹ ایکٹ

عبد الکلام نے برسرِ اقتدار پارٹی کے مشورے پر ۵/مئی ۲۰۰۵ء میں اے آرٹی ۳۵۶ کے تحت جمہوریت کو کمزور کرنے والے دستاویز پر آدھی رات میں دستخط کیے۔ [1]

یہ صرف چند مثالیں ہیں، جن سے یہ امر آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ایک جمہوری ملک کے سربراہ کبھی کبھی اپنے اِختیارات کی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اور کوئی مؤاخذہ تک نہیں ہوتا۔

برطانوی قانون

"73 Crown application.

(1)Any provision made by or under this Act binds the Crown except that—

(a)the Crown is not criminally liable as a result of any such provision;

(b)the Crown is not liable for any penalty under any such provision; and

(c)nothing in this Act affects Her Majesty in her private capacity." [2]

''بادشاہِ وقت کے حوالے سے:

۱- مذکورہ اِحتمالات کی پابندی بادشاہ وقت کریں گے، سوائے

الف- یہ کہ بادشاہِ وقت کسی بھی اِحتمال کے نتیجے میں مجرم نہیں ٹھہریں گے۔

ب- بادشاہِ وقت مذکورہ اِحتمالات کی خلاف ورزی پر جرمانہ نہیں دیں گے۔

ج- اِس قانون کی رو سے بادشاہِ وقت کی ذاتی صلاحیت متاثر نہیں ہوگی۔''

کہتے ہیں کہ اِسی قانون کی وجہ سے **Independent Schools Price**

[1] دیکھیے: *Introduction to the constitution of India: Brij Kishore, Sharma, Page :150*

[2] *Competition Act 1998, Section 73*

fixing case کے معاملے میں ''رائل ہاسپٹل اسکول'' جو کہ گرین وچ ہاسپٹل ٹرسٹ کے ماتحت ہے، پر کوئی جرمانہ عائد نہیں کیا گیا۔ [1]

مساواتِ قانون

کوئی شک نہیں کہ اِجراے قوانین کے پس منظر میں تصورِ مساوات نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے، بل کہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ ضوابط وقوانین کی روح مقوم حقیقت میں جسمِ مساوات کی رگ رگ میں گردش کرتی رہتی ہے۔ اب جوں ہی رگوں سے عنصرِ حیات رُخصت ہوا، وہ ساکت، جامد اور بے جان جسم کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، جو نہ کسی کو متاثر کر سکتا ہے اور نہ ہی قابلِ منفعت وموعظت ہے۔

اِس پس منظر میں جب ہم اِسلامی قانون کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور وجدان وشعور پکار اُٹھتا ہے کہ اِجراے قوانین میں اِس درجہ خیال مساوات صرف اور صرف اس ذاتِ اقدس کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے ہے، جسے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آیئے متذکرہ تصور کی رفاقت میں تاریخِ اِسلامی سے چند اوراق پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ اِنصاف:

خیبر کے سارے قلعے جب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، تو معاہدۂ صلح کے مطابق یہودیوں کو وطن چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا، تاہم وہ عرض گزار ہوئے کہ ہمیں یہیں رہنے دیا جائے۔ ہم یہاں رہ کر کھیتی باڑی کرتے رہیں گے اور پیداوار میں سے نصف آپ لے لیں اور نصف ہمارے لیے مقرر کر دیں۔ اس وقت مسلمان تعداد میں زیادہ نہ تھے اور جو تھے وہ بھی دشمنوں سے تحفظ وصیانت کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، اِس لیے سرکار دوعالم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ یہودیوں کی متذکرہ شرائط کے مطابق ان کی پیش کش قبول کر لی

[1] دیکھیے؛ OFT press release 88/06 of 19 May 2006

جائے، چناں چہ آپ ﷺ نے انھیں اِجازت دیتے ہوئے فرمایا:

''نقرکم فیها علی ذٰلك ما شئنا'' [1]

''ہم جب تک چاہیں گے، تمھیں یہاں ٹھہرنے کی اِجازت ہوگی۔''

دی ہوئی زبان کے مطابق سرکار دوعالم ﷺ نے پیداوار کی تقسیم کے لیے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو مقرر فرما دیا تھا۔ وہ ہر سال تشریف لے جاتے اور پیداوار کی تقسیم کر کے نصف اپنے ساتھ لا کر بیت المال میں جمع کر دیتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو رشوت دے کر پیداوار کی تقسیم اپنے مفاد کے مطابق کرنا چاہی۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ

''انتم ابغض الخلق الیّ ، قتلتم الانبیاء ، و کذبتم علی اللہ و لیس یحملنی بغضی ایاکم علی ان احیف علیکم ، قد خرصت عشرین الف وسق من تمر ، فان شئتم فلکم و ان ابیتم فلی ، فقالوا: بھذا قامت السمٰوٰت و الارض......'' [2]

''تم لوگ میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو، تم نے انبیاے کرام کو قتل کیا ہے اور اللہ پر بہتان تراشی کی ہے، تاہم میری شدت ناپسندیدگی مجھے تمھارے ساتھ نااِنصافی پر برانگیختہ نہیں کرتی، مَیں نے بیس وسق کھجور توڑے ہیں، تم چاہو تو اسے رکھ لو اور اگر اِنکار کرو تو اسے میں لے لوں۔ یہ جواب سن کر وہ لوگ پکار اُٹھے کہ ایسے ہی بے لاگ عدل واِنصاف کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں....''

بلاشبہ صحابہ کرام کے دلوں میں اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل واِنصاف کے پس منظر میں مساوات قائم رکھنے کا یہ جذبہ سرکار دوعالم ﷺ کی حسن تربیت کا نتیجہ تھا۔ خیبر کی پیداوار ہی کے حوالے سے کتب سیر واحادیث میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ محسن اِنسانیت

[1] سبل الہدیٰ، ج:۵، ص:۲۰۷

[2] مسند احمد: امام احمد ابن حنبل، ج:۴، ص:۳۴۴

ﷺ کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ بعض مسلمان یہودیوں کو معاہدہ پر دی گئی زمینوں سے سبزیاں اور چارے کاٹ لیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم دیا کہ وہ اِعلان کریں:

"الصلوٰة جامعة، لا يدخل الجنة الا مسلم" (1)

"جماعت تیار ہے، جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے۔"

یہ سنتے ہی سارے مسلمان اکٹھے ہوگئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد اِرشاد فرمایا:

"ان اليهود شكوا الى انكم وقعتم فى حظائرهم و قد امّناهم علىٰ دمائهم و علىٰ اموالهم والذى فى ايديهم من اراضيهم و عاملناهم و انه لا تحل اموال المعاهدين الا بحقها، و كان المسلمون لا ياخذون من بقولهم شيئا الا بثمن" (2)

"یہود نے شکایت کی ہے کہ تم ان کے علاقوں میں دست درازی کرتے ہو، حالاں کہ ہم نے ان کی جان، مال اور جو زمینیں ان کے تصرف میں ہیں، سب کے تحفظ کا وعدہ کیا ہے، اور جن لوگوں کے ساتھ معاہدہ طے پا جائے، ان کے اموال پر دست درازی درست نہیں۔ پھر ان کی پیداوار سے بغیر قیمت ادا کیے مسلمان کچھ نہیں لیتے تھے۔"

کفار کے ساتھ حسن سلوک:

مساواتِ عدل و اِنصاف ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائیں، ان کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری برتی جائے۔ اللہ ربّ العزت اِسی واضح حقیقت کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

---

(1) المغازی، للواقدی

(2) ایضاً - مسند احمد، ج:۵، ص:۵۰

"لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ" (1)

"اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ اِحسان کرنے اور عدل و اِنصاف کے آئینے میں سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا، جو نہ تم سے دین کے حوالے سے لڑے اور نہ ہی تمھیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (فیضان القرآن)

زیرِ سخن مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ان کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و اِنصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا، جنھوں نے تمھارے دین کے بارے میں تم سے قتال نہیں کیا ہے۔ (2)

متذکرہ آیت کی شان نزول کے حوالے سے امام قرطبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی اہلیہ قتیلہ کو طلاق دے دی تھی، جن سے حضرت اسما رضی اللہ عنہا تھیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنی بیٹی کے لیے تحفہ بھیجا، جسے آپ نے قبول کرنے میں کراہت محسوس کی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (3)

اِسی آیت کریمہ کی شانِ نزول کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ جب ان کی مشرکہ والدہ ان سے ملنے آئیں، تو آپ نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا:

"يا رسول الله! ان امى قدمت و هى راغبة، افاصلها؟ قال صلى الله عليه و سلم: نعم، صلى امك" (4)

"میری والدہ آئی ہیں، جو کہ مشرکہ ہیں، کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں، تم اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرو!"

---

(1) القرآن الکریم، سورت:۶۰، آیت:۸

(2) تفسیر ابن کثیر، ج:۸، ص:۱۱۷

(3) دیکھیے: تفسیر قرطبی، ج:۱۸، ص:59

(4) بخاری، ج:۲، ص:۵۰۵

یہودی قرض خواہ کے ساتھ حسن سلوک:

اِمام حاکم نے روایت کیا ہے کہ یہودی احباروں میں سے ایک زید بن سعنہ ادائیگی قرض کے تقاضا کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ عبد المطلب کی اولاد ناد ہندہ ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹ پلائی، اتنے میں سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

"یا عمر! انا و هو كنا الى غير هذا منك احوج، ان تامرني بحسن القضاء و تامره بحسن التقاضى، انطلق يا عمر، اوفه حقه، اما انه قد بقي من اجله ثلاث، فزده ثلاثين صاعا لتزويرك عليه" [1]

"اے عمر! مَیں اور وہ، تم سے اس سے زیادہ بہتر سلوک چاہتے تھے، وہ یہ کہ تم مجھے حسن ادائیگی اور اسے حسن تقاضا کے لیے کہتے، اے عمر جاؤ، اسے اس کا حق دے دو، سنو! تین صاع اس کے باقی رہتے ہیں، تاہم اسے جھڑکنے کے عوض تیس صاع مزید ادا کرنا۔"

غیر جانب داریِ قانون

کوئی شک نہیں کہ نزاعی معاملات کے مابین درست فیصلے کرنے کے لیے قاضیِ وقت پر لازم ہے کہ وہ غیر جانب داری برتے، ورنہ حق داروں کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جاسکے گا۔ اِسلام میں غیر جانب داری کے اعلیٰ تصور کی نشان دہی کے لیے ہم صرف یہاں پر دو واقعات نقل کرتے ہیں۔ اِمام سیوطی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب میں لکھا ہے:

کہتے ہیں جعدہ بن ہبیرہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! آپ کے دربار میں دو لوگ آنے والے ہیں، ان میں سے ایک کے

[1] مستدرک، ج:۲، ص:۳۷

نزدیک آپ اس کے اہل خانہ اور مال و دولت سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تاہم دوسرا شخص ایسا ہے، جسے اگر موقع مل جائے تو آپ کی گردن مار دے۔ لہٰذا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ پہلے والے کی حمایت کرتے ہوئے دوسرے کے خلاف فیصلہ فرمادیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب خود ان کے الفاظ میں سنیے:

"ان هذا شيء لو كان لي فعلت، و لكن انما ذا شيء لله" [1]

"یہ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو کرلیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ سے منسوب چیز ہے۔"

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مسئلہ کی نوعیت کوئی عام سی نہیں ہے، بل کہ ایک طرف عقیدت و محبت، اِیثار و قربانی اور جذبہ و خلوص ہے، تو دوسری جانب عداوت و دشمنی، بغض و کینہ اور حسد و اِنتقام ہے۔ پھر بات بھی دوسرے سے متعلق نہیں ہے، بل کہ خود اپنی ذات کے حوالے سے ہے، لیکن سب کچھ ہوتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ دورانِ قضا غیر جانب داری کا اعلیٰ معیار قائم کرتے ہوئے دل لگتی بات کہہ رہے ہیں۔

نزاعی معاملات کے تصفیہ کے دوران غیر جانب داری کا یہ اعلیٰ معیار حقیقت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات و معمولات کے جلوہائے عدالت کا پرتوِ جمال تھا۔

موقع کی مناسبت سے وہ مشہور و معروف واقعہ سنتے چلیے، جسے بعض مفسرین نے سورۂ نسا کی آیت کی وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان کسی معاملہ میں اِختلاف ہوگیا۔ حق یہودی کے ساتھ تھا، جب کہ منافق باطل پر تھا۔ منافق کی رائے تھی کہ کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں، تاکہ رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا سکے۔ دوسری طرف یہودی نے رائے دی کہ سیّدنا محمد ﷺ سے فیصلہ کرا لیتے ہیں اور وہ اپنی رائے پر سختی سے ڈٹا رہا۔ چناں چہ دونوں سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آئے اور پورے مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بہ غور سماعت فرمایا اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ منافق کہنے لگا کہ مَیں اسے تسلیم نہیں کرتا اور بہ ضد ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو۔ دونوں ان کے دولت کدے پر حاضر ہوئے

[1] جامع المسانید والمراجع، ج:۱۵، ص:۴۲۹

اور ابھی منافق نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ اتنے میں یہودی نے بتایا کہ ابھی ابھی ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس سے آرہے ہیں اور انھوں نے ہمارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے، تاہم یہ تسلیم نہیں کر رہا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا واقعی ایسا ہی ہوا ہے؟ منافق نے کہا کہ ہاں، ایسا ہی ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھہرو، مَیں ابھی آتا ہوں۔ وہ اپنے گھر میں گئے اور ننگی تلوار لیے باہر آئے۔ ابھی منافق ٹھہر ہی پاتا کہ آپ نے اس کی گردن ماردی اور کہا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کیے ہوئے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا، اس کے حق میں یہی عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ ہے۔ ①

مغربی قانون میں عدم مساوات

اِسلامی قانون کے سایے میں تصورِ مساوات کی عملی تصاویر آپ نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لی ہے، اب آیئے مغربی مساوات کی صرف ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

نیویارک کی جڑواں عمارتوں پر ۱۱ر ستمبر کے حملے کے بعد افغانستان پر جنگ مسلط کر دی گئی اور سینکڑوں افراد قیدی بنا لیے گئے۔ عام طور پر حالت جنگ میں بنائے گئے قیدیوں کے ساتھ جنیوا کنونشن کے ضابطے کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے، لیکن افغان قیدیوں کے لیے وائٹ ہاوس کے کاؤنسل البرٹ گونزیلس نے جنوری ۲۰۰۲ء میں صدر بش کو اپنی تجاویز بھیجیں اور یہ درخواست کی کہ وہ اِن قیدیوں کے ساتھ جنیوا کنونشن کے مطابق سلوک نہ کریں۔ صدر بش نے ۷ر فروری ۲۰۰۲ء میں باضابطہ اِن تجاویز کو منظوری دے دی اور اِنھیں ''فوجی قیدی'' کہنے کے بہ جاے **Enemy Combatants** کے نام سے ایک نئی اِصطلاح کے ساتھ پکارا جانے لگا تاکہ انھیں جنیوا کنونشن کے تحت ملنے والی کوئی مراعات حاصل نہ ہوسکیں، پھر اِنھیں گوانتاناموبے نامی جزیرے میں رکھا جو گو کہ امریکہ کے زیر تصرف ہے، لیکن یہ امریکہ کی سرزمین کا حصہ نہیں ہے، تاکہ اِنھیں امریکی ضابطے کے تحت ملنے والی سہولتوں سے بھی محروم رکھا جاسکے۔ کہتے ہیں کہ اِس جیل میں ۴۸ ممالک کے تقریباً ۵۰۰ قیدی لائے گئے تھے۔ **International Committee of the Red**

① دیکھیے؛ روح البیان، ج:۲، ص:۲۳۰

Cross (ICRC) نے جون ۲۰۰۴ء میں یہاں کا معاینہ کیا تھا، جس کی رپورٹ کا کچھ حصہ نیویارک ٹائمز کے نومبر ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ معاینہ کاروں نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہاں قیدیوں کے ساتھ غیر اِنسانی سلوک کیا جاتا ہے اور اِنھیں طرح طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔

قیدیوں کے ساتھ غیر اِنسانی سلوک کرنا بلاشبہہ قابل مذمت ہے، خواہ کہیں بھی ہو، تاہم زیر بحث گفت گو کے حوالے سے جو بات مَیں عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جنیوا کنونشن کے مطابق سارے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے محضر نامے پر دست خط کرنے کے باوجود بعض کے ساتھ اِمتیازی سلوک کرنا عدمِ مساوات پر کھلی ہوئی شہادت ہے۔

اور یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ قید تنہائی میں دو قیدیوں کے درمیان رنگ و نسل اور دین و ملت کی بنیاد پر کیے گئے اِمتیازی سلوک کی روداد تو عام طور پر پردۂ خفا میں رہتی ہے اور ہزار انگشت نمائی کے باوجود آزاد ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں جاسکتی ہے، تاہم عدمِ مساوات کی جو متذکرہ مثال مَیں نے دی ہے، اسے قیامت کی صبح تک جھٹلایا نہیں جاسکتا، کہ یہ اِقدامات کرنے والے کی جانب سے بھی ''اِعتراف شدہ'' ہے۔

دُشمنی میں بھی عدل واِنصاف:

عام طور پر دوستی کے لیے ضابطے ہوتے ہیں، دُشمنی کے لیے سارے ضابطے، قوانین اور دساتیر پرے رکھ دیے جاتے ہیں، تاہم حیرت ہوتی ہے کہ دینِ اِسلام نے عداوت میں بھی اعلیٰ اخلاقیات کی تعلیم دی ہے، اور وہ بھی اس زمانے میں جب ظلم وستم، قتل وغارت گری اور چوری وڈاکہ کی وارداتیں زندگی کے معمولات میں شامل تھیں۔

اِس حوالے سے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھیے:

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتَّقُوْا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' ①

① قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۸

”اے ایمان والو! تم عدل و انصاف پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے اللہ کے لیے حق کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی گروہ کی زیادتی تمھیں عدل و اِنصاف سے پہلو تہی کرنے پر برانگیختہ نہ کر دے، ہاں ہاں عدل و اِنصاف کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو کہ یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھاری حرکتوں سے لاعلم نہیں۔“

(فیضان القرآن)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اِمام رازی کہتے ہیں کہ کسی قوم کی عداوت و دُشمنی تمھیں اِس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم ان پر ظلم وزیادتی کرو اور حدیں توڑ دو، بل کہ عدل و انصاف سے کام لو گرچہ وہ تمھارے ساتھ زیادتی کریں اور حسن سلوک کرو گرچہ وہ تمھارے ساتھ بدسلوکی کریں۔ اِس طرح اللہ ربّ العزت لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ جب بھی کسی کے ساتھ معاملہ کریں تو عدل و اِنصاف کے ساتھ کریں اور ظلم وزیادتی سے بچیں۔ (1)

دیکھ رہے ہیں آپ! کس قدر واضح لب و لہجے میں ظلم و زیادتی کرنے والوں کے ساتھ بھی عدل و اِنصاف کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے پُرکشش دعوے دوسروں کے یہاں بھی مل جائیں، اس لیے بہتر ہے کہ دامن اسلام کے سائے میں تجرباتی تصویر بھی دیکھ لی جائے، تاکہ یہ امر آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے کہ اِسلامی ہدایت زبانی جمع خرچ تک محدود نہ رہی، بل کہ واقعاتی پس منظر میں زمینی حقائق کے لبادے میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہے۔

جنگِ اُحد میں کفار نے مسلمان شہدا کے چہرے، پیٹ، ناک، کان اور بدن کے دوسرے حصے چاک کر ڈالے تھے اور مقدس لاشوں کی بے حرمتی کی تھی۔ ان میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش بھی تھی۔ جب سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں دیکھا، تو حسرت و افسوس کی انتہا نہ رہی اور آپ ﷺ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

”واللہ لامثلن بسبعین منهم مکانك“ (1)

(1) دیکھیے: تفسیر رازی، ج:۱۱، ص:۳۲۰

(1) مستدرک، ج:۳، ص:۲۱۷

”اللہ کی قسم، مَیں آپ کے بدلے میں ان کے ستر لوگوں کو مثلہ کروں گا۔“

پھر کیا تھا صحابہ کرام بھی بول پڑے کہ اگر کفار پر فتح یاب ہوئے، تو وہ اس سے زیادہ بھیانک مُثلہ کریں گے اور ایسا مثلہ کریں گے کہ آج تک سارے عرب میں کسی نے بھی ویسا نہیں کیا ہوگا۔ (1)

مفسرین کہتے ہیں کہ اِس واقعہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنی قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کیا۔ (2)

”وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ“ (3)

”اگر تم انھیں سزا دو تو اسی قدر جتنی تکلیف انھوں نے تمھیں پہنچائی ہے اور اگر تم صبر وضبط سے کام لو، تو صبر کرنے والوں کے لیے صبر سب سے بہتر ہے۔“

(فیضان القرآن)

اخیر میں اِسلامی اخلاقیات پر مبنی اِعلانِ رسول ﷺ سماعت کر لیں!

”اتقوا دعوة المظلوم و لو کان کافرًا، فانها لیس دونها حجاب“ (4)

”مظلوم کی آہ سے بچو، گرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس کی آہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے۔ تاریخ اِسلامی شاہد ہے کہ یہ دور نہایت ہی پُرآشوب تھا۔ ایک جانب لوگ قاتلین کی سرکوبی کا مطالبہ کر رہے تھے، تو دوسری جانب ملکی حالات نہایت ہی دگرگوں ہوتے

(1) دیکھیے: روح البیان، ج:۵، ص:۹۵

(2) خزائن العرفان: صدر الافاضل مرادآبادی، ص:۴۰۷

(3) قرآن کریم، سورت:۱۶، آیت:۱۲۶

(4) مسند احمد، ج:۳، ص:۶۲۳

جا رہے تھے۔ انھی دنوں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے، تو عبدالرحمٰن بن ملجم نامی ایک خارجی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ پر حملہ کر دیا۔ زخمی ہونے کے بعد آپ نے فرمایا:

"یا بنی عبد المطلب! لا الفینکم تخوضون دماء المسلمین تقولون: قتل امیر المؤمنین، قتل امیر المؤمنین، الا لا یقتلن الا قاتلی، انظر یا حسن! ان انا مت من ضربته هذه، فاضربه بضربة، و لا تمثل بالرجل، فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول: ایاکم و المثلة، و لو انها بالکلب العقور" [1]

"اے بنو عبدالمطلب! تمھیں مسلمانوں کا خون بہانے پر یہ بات نہ اُکسائے کہ امیر المومنین قتل کر دیے گئے ہیں، سنو صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے، اے حسن! اگر مَیں اس کے زخمی کرنے کی وجہ سے اِنتقال کر جاؤں، تو اسے صرف ایک ضرب ہی لگائی جائے، پھر اسے روندا نہ جائے کیوں کہ مَیں نے سرکار دوعالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لاش کے ساتھ کھلواڑ نہ کیا جائے، گرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں! زندہ رہتے ہوئے حسن سلوک کرنا واقعی کمال ہے، تاہم اپنے قتل کرنے والے کے ساتھ بھی عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی نصیحت کرنا، سب کے بس کی بات نہیں۔ یہ بلاشبہہ صرف اِسلامی تعلیمات ہی کا کمال ہے۔

اِثباتِ جرم کے بعد ہی سزا

جب معاشرہ میں ناکردہ جرائم پر بے گناہ ستائے جاتے ہیں اور انھیں سزائیں دی جاتی ہیں، تو اِضطراب و بے چینی بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد اِنسانی آبادی میں ظلم و ستم، تعنت و سرکشی اور بے راہ روی عام ہو جاتی ہے۔ اِس لیے بلا تامل

[1] امام علی: شیخ رشید رضا، ج:۱، ص:۲۵۰

کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ کو گہوارۂ امن و سکون بنانے میں اِثباتِ جرم کے بعد ہی سزا دینے کی روایت، بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اِس پس منظر میں سرکار دوعالم ﷺ کی ہدایت سنیے:

"ادرءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم، فان کان له مخرج فخلوا سبیله، فان الامام ان یخطیء فی العفو خیر من ان یخطیء فی العقوبة" [1]

"جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو سزا دینے سے بچو، پس اگر کسی کے لیے کوئی راستہ نکل جائے تو اسے چھوڑ دو، اس لیے کہ سزا دینے کے معاملے میں حاکم کی غلطی سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ درگزر کرنے کے معاملے میں غلطی ہو جائے۔"

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ کس قدر وضاحت کے ساتھ عدالتی فیصلے کے لیے راہ نما اُصول سنائے جا رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر علمائے کرام کہتے ہیں کہ اگر کہیں کوئی قتل ہو جائے اور وہاں سے دو افراد گرفتار کیے جائیں۔ یہ یقینی ہے کہ دونوں میں سے ایک قاتل ہے، تاہم جب تک کسی ایک کے بارے میں صد فی صد جرم ثابت نہ ہو جائے، اسے سزا نہیں دی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ تو ہو سکتا ہے کہ عدمِ اِثباتِ جرم کی صورت میں دونوں کو بری کر دیا جائے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ شک کی بنیاد پر دونوں کو سزائیں دی جائیں۔

متذکرہ ضابطۂ عدالت کو مزید اُجالے میں دیکھنا ہو، تو اِسے پڑھیے!

سرکارِ دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"ادرءوا الحدود بالشبهات" [2]

"شک کی وجہ سے سزائیں پس پشت ڈال دو!"

حق و عدالت کی برتری اس قدر اہم ہے کہ اگر کسی نے خلافِ حق کوئی فیصلہ صادر کر دیا، تاہم اسے غور کرنے کے بعد اپنے کیے ہوئے فیصلہ میں تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس ہو جائے، تو اس پر لازم ہے کہ بلا تامل اسے واپس لے لے۔

[1] ترمذی، ج:۴، ص:۵۷۸

[2] جامع المسانید والمراجع، ج:۱، ص:۱۳۸

یہاں پر ہم امیر المومنین حضرت عمر الفاروق ؓ کی ہدایت کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں، جو انھوں نے قاضی شریح ؓ کو بھیجا تھا۔

"...لا یمنعك قضاء، قضیته بالامس راجعت فیه نفسك، و هدیت فیه لرشدك ان ترجع عنه، فان الحق قدیم، مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل....." (1)

"......کسی ایسے معاملہ کے حوالے سے مراجعت فیصلہ میں پس و پیش نہ ہو، جس کے بارے میں تم نے کل فیصلہ دیا ہے اور اب دوبارہ غور کرنے کے بعد حقیقت حال خوب واضح ہوگئی ہو، اس لیے کہ حق اصل ہوتا ہے، اور حق کی طرف رجوع کرنا، باطل پر قائم رہنے سے زیادہ بہتر ہے......"

کیا عدل و اِنصاف کی بالا دستی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ہدایت ہو سکتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب تک خوب یقین نہ ہو جائے، فیصلہ نہ دیا جائے، تاہم اگر کسی وجہ سے حق کے خلاف کوئی فیصلہ صادر ہو جائے، تو ہدایت یہ ہے کہ اس سے رجوع کر لیا جائے۔

عالمی عدالت کی ایک جھلک

ویسے تو موضوع کے لحاظ سے بہتیری مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، تاہم کثرتِ موضوعات کے پیش نظر ہم ماضی قریب کی صرف ایک مثال پر اِکتفا کرتے ہیں۔

مجھے سر دست اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کسی ایک ملک کو دوسرے ملک پر حملہ کرنے کا آئینی حق ہے یا نہیں کہ یہ بہ ذات خود ایک بہت ہی وسیع و عریض موضوع ہے، جس میں بحث و مباحثہ مجھے میرے مطلوبہ نشانے سے دور ہٹا دے گی۔ جو لوگ اس معاملے میں حق و صداقت جاننے کے خواہش مند ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ میری کتاب "فکر و نظر کے دریچے" اور "نقشِ خیال" کا مطالعہ کریں۔

بہ ہر کیف، مَیں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ عراق کے سابق صدر صدام حسین کے زمانے میں برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر اور امریکہ کے صدر جارج بوش نے پورے زور و

(1) عمر بن خطاب: شیخ رشید رضا، ج:۱، ص:۶۵

شور کے ساتھ ساری دنیا کو یقین دلایا کہ صدر صدام حسین کے پاس بڑے پیمانے پر تباہی کے کیمیاوی ہتھیار (**WMD**) بہت وافر مقدار میں ہیں، جو امن پسند دنیا کے لیے نقصان دہ ہیں۔ پہلے تو وہ مطالبہ کرتے رہے کہ عراق ایسے تمام ہتھیار اقوامِ متحدہ کے حوالے کر دے۔ عراقی حکومت بار بار صفائی دیتی رہی کہ کیمیاوی ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں، تاہم دنیا نے ان کی باتوں پر یقین نہیں کیا اور ملک پر پوری قوت سے حملہ کر دیا گیا۔ ہزاروں بے گناہ مارے گئے، سینکڑوں بچے لقمہ اجل بنے اور ہنستی کھیلتی آبادیاں زمیں بوس کر دی گئیں، تاہم تلاشِ بسیار کے باوجود بھی بڑے پیمانے پر تباہی کے ہتھیار کا نام و نشان تک نہ ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے عالمی اِقدامات پر تنقیدیں ہوئیں۔ بہ بانگ دہل اِنصاف پسند عمائدین، انسانیت دوست قائدین اور حقوق انسانی کے لیے جدو جہد کرنے والی تنظیموں نے صدائے اِحتجاج بلند کر کے اپنے گہرے غم و اندوہ کا اِظہار کیا۔

موجودہ صورت حال کے حوالے سے جب تشویش بہت بڑھ گئی تو امریکی انتظامیہ نے زیر بحث مسئلہ کی تحقیقات و تنقیحات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ پانچ سالوں کی مسلسل تگ و دو کے بعد تحقیقاتی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کمیٹی کے نائب چیئر مین **Jay Rockefeller** نے اپنے بیان میں کہا کہ عراق کے خلاف جنگ سے پہلے اِنتظامیہ نے امریکی عوام سے عہد کیا تھا کہ وہ انہیں اس خطرے کی سو فی صد درست تصویر دکھائے گی جسے ہم محسوس کر رہے ہیں، لیکن بد قسمتی سے ہماری کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اربابِ حکومت نے جو واضح خطرہ محسوس کیا تھا، اس کی تائید خفیہ جاسوسی رپورٹ سے نہیں ہو سکی۔

آگے چل کر وہ اپنی رپورٹ میں حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عراق کے خلاف جنگ کے جواز پر اِنتظامیہ نے خفیہ رپورٹ کو امریکہ عوام کے سامنے آنکھوں دیکھے مشاہدے کی حیثیت سے پیش کیا، جب کہ حقیقت میں یہ ناقص، تناقضات سے بھری، بل کہ سرے سے بے بنیاد تھی۔ نتیجے کے طور پر امریکی عوام نے خطرے کو اس سے کہیں زیادہ محسوس کیا جتنا کہ حقیقت میں تھا۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ہم سب عراق کے حوالے سے بے بنیاد رپورٹ پر اِعتماد کرتے رہے، بل کہ غلط خفیہ رپورٹ پر اِعتماد کرنے

اور جان بوجھ کر امریکی عوام کے سامنے ایسی تصویر کشی کرنے کے درمیان بنیادی فرق ہے، جو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ بالکل غلط ہے۔

دل تھام کر ذرا رپورٹ کا وہ جملہ پڑھیے جو قول فیصل ہے:

"the Senate Intelligence Committee has finally gone on the record: the Bush administration misused, and in some cases disregarded, intelligence which led the nation into war" ①

''سینٹ خفیہ کمیٹی بالآخر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ بش انتظامیہ نے خفیہ جاسوسی رپورٹ کا غلط استعمال کیا، بل کہ بسا اوقات اسے سرے سے نظر انداز بھی کیا جس نے ملک کو جنگ میں ڈھکیل دیا۔''

دیکھ رہے ہیں آپ عالمی فیصلے کی ایک عبرت ناک جھلک! شک کی بنیاد پر سزا پہلے دی جا رہی ہے اور اِثباتِ جرم کے لیے تحقیق بعد میں ہو رہی ہے۔ اور خیال رہے کہ یہ نتیجہ کسی فرضی داستان کی بنیاد پر نہیں ہے، بل کہ ان کے اپنے لوگوں کی تحقیقاتی رپورٹ پر مبنی ہے، جس کی نہ تکذیب ہو سکتی ہے اور نہ ہی جس میں کسی طرح کی کوئی تحریف۔

حقیقت پسندانہ پالیسی، نہ کہ مفاد پرستانہ

یہ حقیقت دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہے کہ دورِ حاضر میں ملک کے اندر شہریوں کی باہمی مخاصمت کے تصفیہ میں تو کسی حد تک عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں، تاہم جب بات پورے ملک کی پالیسی سے متعلق ہوتی ہے، تو پھر عدل و انصاف اور حق و صداقت پر نگاہ نہیں ہوتی، بل کہ صرف اور صرف توجہ ''ملکی مفاد'' پر ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ ملکی پالیسی کی بنیاد ''حقیقت پسندی'' پر نہیں ہوتی ہے، بل کہ سرتاسر ''مفاد پرستی'' پر ہوتی ہے۔

اور یہ امر اس قدر عام ہے کہ آپ کو مثالیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بس

① *The Huffington Post*، ۱۳/ جون ۲۰۰۸ء

غیر جانب داری کے ساتھ دنیا کے کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی پر نگاہ ڈال لیجیے، حقیقت خود بہ خود سامنے آجائے گی۔ اور پھر اگر تحقیق و تفتیش کی زحمتوں سے بچنا چاہتے ہیں، تو صرف اقوامِ متحدہ کی مجلس امن کے پانچ مستقل ممبران کے ذریعہ ویٹو کرنے کے پس پشت عوامل و عناصر کا سراغ لگائیے۔ سہولت کے لیے عرض کروں گا کہ موجودہ روس اور سابق سوویت یونین اب تک ایک سو چوبیس، امریکہ بیاسی، برطانیہ بتیس، فرانس اٹھارہ اور چین سات مرتبہ مجلس امن میں پاس ہونے والی قراردادوں کو ویٹو کے ذریعہ ناکام بنا چکے ہیں۔ آپ بہت ہی محتاط رائے رکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام نہیں، تو کم از کم ننانوے فی صد ویٹو ایسے ہیں، جن میں عدل و اِنصاف اور حق و صداقت کی پروا کیے بغیر، صرف اور صرف اپنے ملک کے مفادات کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ ایسے حالات میں ملک کے شہریوں کی اکثریت بہ جائے صدائے اِحتجاج بلند کرنے کے، چپی سادھ کر اپنی خاموش رضامندی کا ثبوت بھی دیتی رہی ہے۔ اس طرح بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عدل و اِنصاف کے تمام تر تقاضوں کو ''ملکی مفاد'' کی بھینٹ چڑھانا عصر حاضر میں قطعی معیوب نہیں ہے۔

اب آئیے ذرا متذکرہ بحث کے حوالے سے دین اِسلام کا موقف سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات مَیں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ عدل و اِنصاف کا جو تصور دین اِسلام پیش کرتا ہے، وہ قطعی سب سے جداگانہ ہے۔ یہاں عدل و اِنصاف کے پس منظر میں نہ اپنے دیکھے جاتے ہیں اور نہ ہی غیر، بل کہ تمام تر توجہ صرف ''حقیقت پسندی'' پر ہوتی ہے۔ اب اگر حق اپنوں کے ساتھ ہے، تو ٹھیک اور اگر غیروں کے ساتھ ہے، تو بجا۔

یقین نہیں آتا تو اُٹھائیے قرآنِ مقدس اور اسے پڑھیے!

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗا اَوْ

تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْراً‘‘ (1)

’’اے ایمان کی دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہونے والو! تم سب رضائے اِلٰہی کے لیے سچی گواہی دیتے ہوئے عدل و اِنصاف پر سختی کے ساتھ کاربند رہو، خواہ اس میں خود تمھارا اپنا نقصان ہو جائے، یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا، فریق معاملہ خواہ امیر ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، پس ہوائے نفس کی پیروی تمھیں عدل و اِنصاف سے باز نہ رکھے اور اگر گواہی دیتے ہوئے بات کو گھما پھرا کر کہو یا گواہی سے پہلو تہی کرو تو خیال رہے کہ بلاشبہہ اللہ تمھاری حرکتوں سے خوب باخبر ہے۔‘‘ (فیضان القرآن)

دوسروں کے خلاف عدل وانصاف پر قائم رہنا کوئی مشکل نہیں، تاہم خود اپنے ذاتی مفاد کو داؤں پر لگاتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ حق وصداقت کی بالادستی قبول کر لینا، نہایت ہی مشکل ہے۔ یہ صرف دین اِسلام کی تعلیمات کا نتیجہ ہے، جو عدل و اِنصاف کے اعلیٰ ترین مفہوم سے اپنے پیروکاروں کو روشناس کراتا ہے۔

صرف اِسی پر بس نہیں ہے، بل کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے عدل و اِنصاف کی صحیح پرکھ کے لیے ہمارے ہاتھوں میں ایک نہایت ہی آسان کسوٹی بھی عطا کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ دنیا میں سب سے زیادہ اِنصاف پرور بن جاؤں۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

’’احب للناس ما تحب لنفسك تکن اعدل الناس‘‘ (2)

’’لوگوں کے لیے وہی پسند کرو، جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو، پھر تم لوگوں کے درمیان سب سے زیادہ اِنصاف پرور بن جاؤ گے۔‘‘

(1) قرآنِ کریم، سورت:۴، آیت:۱۳۵

(2) کنز العمال، ج:۱، ص:۳۳۱۰

OOO

دوسری جھلک:

شراب اور منشیات

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اِسلام دینِ فطرت ہے، تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہمیں صرف عبادت وریاضت اور بندگی و نیاز مندی کے طریقے کی ہی ہدایت نہیں دیتا، بل کہ ہر چہار جوانب سے ہماری فلاح و بہبودی کے لیے کام یاب راہ نمائی بھی کرتا ہے اور ہر وہ راستہ ہم پر مسدود کر دیتا ہے، جس سے ہمارے عیش و آرام، نعیم وسرور اور تسکین ودل بستگی میں تکدر پیدا ہونے کے تھوڑے سے بھی اِمکانات ہوں۔

ہم آنے والے صفحات میں اپنے سرنامۂ سخن کے حوالے سے اِسلامی تعلیمات کا بھی جائزہ لیں گے اور دوسری جانب شراب، منشیات اور جوا کے واقعی نقصانات پر ایک نگاہ بھی ڈالنے کی کوشش کریں گے، تا کہ یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دین اِسلام کس طرح ہمارے اعلیٰ مفادات کے تحفظ وصیانت کو یقینی بنانا چاہتا ہے۔

اِسلامی شریعت کی روشنی میں حرمت شراب کے حوالے سے عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عہد حاضر کی دونوں مفروضہ آسمانی کتابوں پر بھی نگاہ ڈالتے چلیں، تا کہ حقائق و معلومات پوری طرح اُجالے میں آجائیں۔

شراب عہد نامہ قدیم میں

عصر حاضر کے نام نہاد اہل کتاب کے نزدیک ’’عہد نامہ قدیم‘‘ دینی راہ نمائی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ شراب کے بارے یہ عبارت پڑھیے:

"Give strong drink to him who is perishing, And wine to him whose life is bitter. Let him drink and forget his poverty And remember his trouble no more...." ①

''شراب اسے پلاؤ جو مرنے پر ہے اور مَے اسے دو جو تلخ جان ہے، تا کہ وہ پیے اور اپنی تنگ دستی فراموش کرے اور اپنی تباہ حالی کو پھر نہ یاد کرے۔''

یہ بات کہنے کی نہیں کہ دنیا میں بہتیرے لوگ ایسے ہیں، جو اپنے غم غلط کرنے کے لیے ہی جامِ شراب ہونٹوں سے لگاتے ہیں اور پھر دھیرے دھیرے ایسے رسیا ہو جاتے ہیں کہ بغیر پیے نہ دن گزرتا ہے اور نہ ہی رات۔ لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پینے والا مصیبت زدہ ہے، یا عیش و آرام کے سائے میں زندگی گزارنے والا۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ جب شراب کے ''حسن اثر'' کی ستائش ہو رہی ہے، تو بھلا صرف تباہ حال ہی کیوں خود فراموشی کی لذت سے فیض یاب ہو، مکین عشرت کدہ کیوں نہ ہو؟ یہی وجہ ہے کہ عہد نامہ قدیم پر یقین رکھنے والے شراب سے دور نہیں رہتے۔

شراب عہد نامہ جدید میں

عہد نامہ جدید میں بھی شراب کا تذکرہ بڑے حسین پیرایۂ بیان میں کیا گیا ہے، جس سے قاری کے دل میں شراب سے کشش و جاذبیت پیدا ہو جانا فطری امر ہے۔ یقین نہ آئے تو اِنجیل کی یہ عبارت ملاحظہ کیجیے:

''پھر تیسرے دن قانایِ گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی، اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مَے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مَے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت، مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا کہ جو کچھ یہ کہے وہ کرو۔

① *Proverbs, 31:6,7*

وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا کہ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس اُنھوں نے اُن کو لبالب بھر دیا، پھر اُس نے اُن سے کہا کہ اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا، جو مَے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے، تو میر مجلس نے دُلہا کو بلا کر اس سے کہا کہ ہر شخص پہلے اچھی مَے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر مدہوش ہو جائے، مگر تو نے اچھی مَے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔'' ①

مندرجہ بالا عبارت میں ''یسوع'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ جب ان کے عقیدے کے مطابق خود مذہبی رہنما شراب کے فضائل و مناقب بیان کریں گے، تو پیروکاروں کے دلوں میں شراب سے نفرت و بیزاری کے جذبات کیوں کر پیدا ہو سکتے ہیں؟

مزید اِطمینان کے لیے پولس کے ایک خط کا یہ اِقتباس پڑھیے:

''آئندہ صرف پانی ہی نہ پیا کر، بل کہ اپنے معدہ اور اکثر کم زور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مَے بھی کام میں لایا کر۔'' ②

کہتے ہیں کہ پولس اِبتدا میں قبیلہ بنیامن کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، تاہم ایک دن اچانک اُس نے اِشارہ پا کر عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ واقعہ خود اُس کی زبانی سنیے:

''مَیں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آ چمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو مَیں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے، پَینے کی آر پر لات مارنا تیرے لیے مشکل ہے، میں نے کہا:

① انجیل یوحنا، ۲:۱

② عہد نامہ جدید، رسالہ پولس، ۵:۲۳

اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا کہ میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیوں کہ میں اس لیے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کردوں، جن کی گواہی کے لیے تو نے مجھے دیکھا ہے اور ان کا بھی، جن کی گواہی کے لیے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا..." (1)

اِس طرح پولس نے عیسائیت کی تشہیر شروع کردی۔ یہی وجہ ہے کہ اِنصاف پسند مؤرّخین پولس کو جدید عیسائیت کا بانی تصور کرتے ہیں۔ بہ ہر کیف، مجھے یہاں عیسائیت کی تاریخ سے بحث نہیں ہے، بل کہ مدعاے کلام صرف یہ ہے کہ مذہب عیسائیت کے حوالے سے پولس کی واقعی حیثیت قارئین کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب عیسائیت کا بانی ہی اپنے ایک پیروکار کو مے نوشی کی نصیحت کرے، تو پھر یہ دوسرے پیروکاروں کے نزدیک قبیح ورذیل چیز کیسے کہلاسکتی ہے۔

شراب زمانۂ جاہلیت میں

آفتابِ اِسلام کے طلوع ہونے سے پہلے سرزمین عرب میں شراب نوشی روزمرہ کے معمولات میں داخل تھی۔ لوگ بڑے شوق وذوق سے مزے لے لے کر شراب پیتے اور نشے میں دھت رہتے۔ نشے کی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ایک بار عبداللہ بن جدعان نے نشے کی حالت میں امیہ بن صلت کی آنکھوں پر گھونسہ رسید کردیا۔ ضرب اِس قدر شدید تھی کہ جس سے بینائی سلب ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ دوسرے دن جب عبداللہ بن جدعان کی ملاقات امیہ بن صلت سے ہوئی، تو وہ حیرت سے پوچھنے لگا کہ تمھاری آنکھوں میں یہ سوجن کیسی ہے؟ امیہ بن صلت نے جواب دیا کہ یہ سب تمھارے ہی گھونسہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ حیرت سے تکنے لگا اور پھر قسم کھالی کہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن جدعان کو ان لوگوں میں سے شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شراب چھوڑ دی تھی۔

(1) عہد نامہ جدید، اعمال، ۲۶:۱۴

یہ کوئی اِستثنائی واقعہ نہیں ہے، بل کہ دورِ جاہلیت کے شعراے عرب کے دواوین کی ورق گردانی کی جائے تو حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں کہ کس طرح شعرا نے شراب کے فضائل ومناقب بیان کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کی ہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ متذکرہ گروہ میں صرف عام شعرا نہیں ہیں، بل کہ ایسے شعرا ہیں جنھیں عربی شاعری کا معمار سمجھا جاتا ہے، جیسے طرفہ بن العبد، عدی بن زید العبادی، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد، منخل الیشکری، اَعشی اکبر، ابونواس اور لبید بن ربیعہ وغیرہ۔ شراب کے حوالے سے فخر ومباہات پر مشتمل تذکرے، نیز مجالس مے نوشی میں عیش ومستی، لطف ولذت اور کیف وسرور کے بہترے قصص، یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں شراب نوشی کس قدر عام تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں مے نوشی سے محبت وقربت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اصحابِ زبان نے شراب کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے ڈھائی سو سے زیادہ الفاظ وضع کرلیے تھے، ساتھ ہی ساتھ شراب پینے کے لیے طرح طرح کے پیالے اور ان کے کئی کئی اسما بھی یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ شراب ان کی تہذیب وتمدن میں کس حد تک دخیل ہوچکی تھی۔

عمومیت مے نوشی کے حوالے سے، وہ واقعہ بھی خاموش اشارہ کرتا ہے، جسے مفسرین نے حرمت شراب کی تفسیر کرتے ہوئے قلم بند کیا ہے۔ اِمام قرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت سے متعلق قرآن کریم کی آیت کریمہ نازل ہوئی تو

"امر النبی صلی اللہ علیہ و سلم منادیہ ان ینادی فی سکک المدینۃ، الا ان الخمر قد حرمت، فکسرت الدنان، و اریقت الخمر حتی جرت فی سکک المدینۃ" (1)

"رسول اکرم ﷺ نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں اِعلان کرے کہ اے لوگو! شراب حرام کردی گئی ہے۔ یہ سنتے ہی شراب کے مٹکے توڑ

(1) تفسیر قرطبی، ج:۶، ص:۲۸۵

دیے گئے اور شراب بہادی گئی، یہاں تک کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔"

کتب تفاسیر میں متذکرہ حدیث جس مفہوم کی وضاحت کے لیے درج کی گئی ہے، وہ اپنی جگہ پر، تاہم اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ لوگ کس قدر شراب کو عزیز و محبوب رکھتے تھے۔ اگر عرب معاشرے میں مے نوشی بہت زیادہ عام نہ ہوتی، تو شراب کے بہائے جانے کے بعد وہ مدینہ کی گلیوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی دکھائی نہ دیتی۔

شراب کے حوالے سے موقفِ اسلام

عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید اور زمانۂ جاہلیت میں مے نوشی کے حوالے سے آپ نے قدرے اختصار کے ساتھ گفت گو سماعت کرلی ہے۔ اب مناسب ہے کہ شراب کے بارے میں اسلامی موقف کی ایک جھلک بھی دیکھ لی جائے۔

کوئی شک نہیں کہ انسانی تاریخ میں مذہب اسلام وہ واحد و تنہا دین ہے، جس نے شراب پر مکمل پابندی عائد کی اور یگانۂ روزگار حکمت عملی اختیار کرنے کی وجہ سے اسے حیران کن کامیابی بھی ہاتھ آئی۔ خیال رہے کہ یہ اعترافِ حقیقت صرف ایک مسلمان کی جانب سے ہی نہیں ہے، بل کہ عصر حاضر میں شراب کے مضر اثرات سے دنیا کو روشناس کرانے اور اس پر پابندی کی پرزور حمایت کے حوالے سے عالمی شہرت یافتہ مصنف پروفیسر **Mark Keller** لکھتے ہیں:

"Quite a different kind of religious control was adopted in the 7th century in Islam: The Qur'an simply condemned wine, and the result was an effective prohibition wherever the devout followers of Muhammad in Arabia and other lands prevailed." ❶

"شراب پر مذہبی پابندی کے معاملہ میں ایک بالکل مختلف طریقہ اسلام نے

❶ *Encyclopaedia Britannica, Vol:1, Page:441-442, 1995*

ساتویں صدی میں اختیار کیا، وہ یہ کہ قرآن نے سادہ طور پر بس شراب کی مذمت کی اور اس کا نتیجہ عرب اور دوسرے علاقوں میں رہنے والے (حضرت) محمد (ﷺ) کے پیروکاروں میں مؤثر اجتناب کی صورت میں ظاہر ہوا۔"

شراب کی حرمت کے معاملے میں دین اسلام نے جو بے مثال حکمت عملی اختیار کی، وہ تین مراحل میں تدریجی طور پر مکمل ہوئی:

پہلے مرحلے میں شراب کے حسن و قبح دونوں پہلوؤں پر قرآنِ مقدس نے بات کرتے ہوئے کہا:

"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ، وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" ❶

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ وضاحت کر دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ دنیوی فائدے بھی ہیں، مگر ان کا گناہ فائدے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔"

(فیضان القرآن)

اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں نے تو شراب چھوڑ دی، تاہم دوسرے لوگ بہ دستور پیتے رہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے شراب پی اور نشے کی حالت ہی میں نماز شروع کر دی۔ سورۂ کافرون کی تلاوت کے دوران نشے کی وجہ سے امام کی زبان سے بہ جائے "**لا اعبد ما تعبدون**" کے "**اعبد ما تعبدون**" نکل گیا۔ ظاہر ہے اشارہ کافروں کے معبدوں کی پرستش کے بارے میں تھا، جو کہ اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید سے قطعی متصادم تھا، لہٰذا شراب کے حوالے سے دوسری ہدایت آئی: ❷

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" ❸

❶ قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۱۹

❷ روح البیان: شیخ اسماعیل حقی، ج:۱، ص:۳۴۶

❸ قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۴۳

”اے اِیمان کی دولت سے مشرف ہونے والے خوش نصیبو! تم نشہ کی حالت میں نماز کی ادائیگی کا اِرادہ نہ کرو، یہاں تک کہ تمہاری کیفیت یہ ہو جائے کہ جو کہہ رہے ہو، اسے اچھی طرح سمجھ بھی لو۔“ (فیضان القرآن)

مفسرین لکھتے ہیں کہ متذکرہ ہدایت کے بعد لوگوں نے شراب پینی چھوڑ دی، تاہم بعض لوگ اوقات نماز میں مَے نوشی سے اِجتناب کرنے لگے۔ انھی دنوں حضرت سعد بن ابی وقاص نے بعض انصار کو دعوت دی۔ کھانے کے بعد لوگوں نے شراب پی۔ نشے کی حالت میں اُنھوں نے یہ کہہ دیا کہ مہاجرین انصار سے زیادہ بہتر ہیں۔ اتنے میں ایک انصاری نے اونٹ کا سر اٹھایا اور ناک پر دے مارا۔ ناک خون آلود ہوگئی۔ وہ بھاگتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کے پاس پہنچے، تو یہ آیت نازل ہوئی: [1]

”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ“ [2]

”اے دولت اِیمان سے مشرف ہونے والو! شراب، جوا، بت اور فال نکالنے کے تیر، محض ناپاک اور شیطانی عمل ہیں، لہٰذا تم ان سے اِجتناب کرو تا کہ فلاح و کامیابی تمہارے قدم چومے۔“ (فیضان القرآن)

ملاحظہ فرما رہے ہیں! بلاشبہ ایسے معاشرہ سے مَے نوشی کی روایت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا کوئی آسان نہ تھا، جس کی رگ رگ میں لذتِ شراب سرایت کر گئی ہو، تاہم دین اِسلام نے اپنی یکتائے روزگار حکمت عملی، دانش مندی اور دور اندیشی سے تدریجی مراحل میں شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اِسلام نے صرف شراب ہی کو حرام نہیں قرار دیا، بل کہ سرکار دو عالم ﷺ نے قیامت کی صبح تک دریافت ہونے والی ہر اس چیز کو شراب ہی کے خانے میں مندرج کر دیا ہے، جو نشہ آور ہو۔

[1] دیکھیے: تفسیر قرطبی، ج:٦، ص:٢٨٥
[2] قرآن کریم، سورت:٥، آیت:٩٠

”کل مسکر خمر و کل خمر حرام“ [1]

”ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔“

مختصر لیکن نہایت ہی جامع الفاظ میں سرکار دو عالم ﷺ نے تمام منشیات کو بھی حرام قرار دے دیا ہے۔ اور بیانِ علت اِس قدر وسعت رکھتا ہے کہ اِنتہائے عالم تک دریافت ہونے والی ہر طرح کی نشہ آور چیز حکم حرمت میں داخل ہو جائے۔

اِسلام کے نزدیک شراب کس قدر ناپسندیدہ، مکروہ اور بری چیز ہے، یہ اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل حدیث پوری توجہ سے پڑھیے:

”لَعَنَ اللّٰہُ الْخَمْرَ، وَ شَارِبَھَا، وَ سَاقِیَھَا، وَ بَائِعَھَا، وَ مُبْتَاعَھَا، وَ عَاصِرَھَا، وَ مُعْتَصِرَھَا، وَ حَامِلَھَا، وَ الْمَحْمُوْلَۃَ اِلَیْھَا“ [2]

”سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی، نیز اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، اسے تیار کرنے والے، اس کے اٹھانے والے اور جس کے لیے اٹھائی جائے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔“

کہنے دیجیے کہ متذکرہ بالا حدیث میں شراب سے کسی بھی طرح کی نسبت رکھنے والے پر لعنت اِلٰہی کے اِعلان سے، نہ صرف مَے نوشی سے اِجتناب کو تقویت ملتی ہے، بل کہ رُوے زمین سے اس کا نام و نشان مٹا دینے کا حوصلہ بھی دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے شراب سے بچنے والے خوش نصیب پر فیضان و کرم کے جلووں کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجیے:

”قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم: حَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِیْ جُرْعَۃً مِّنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُہٗ مِنَ

[1] مسلم، ج:١٣، ص:١٤٤
[2] مسند احمد، ج:٢، ص:٢٢٩

الصَّدِیْدِ مِثْلِهَا، .... وَ لَا یَتْرُکُهَا مِنْ مَّخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنْ حَیَاضِ الْقُدُسِ " (۱)

"رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب عز وجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے جس بندے نے ایک گھونٹ بھی شراب پی ہے، اسے میں اسی مقدار میں پیپ پلاؤں گا......اور جو میرے خوف کی وجہ سے شراب سے اجتناب کرے، تو اسے میں مقدس حوضوں سے سیراب کروں گا۔"

متذکرہ مسئلہ کے حوالے سے تینوں رخ آپ کے سامنے ہیں۔ دین اِسلام نے شراب ومنشیات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، پھر پینے پر عبرت ناک سزا کی وعید اور پھر مَے نوشی سے اِجتناب پر اِنعام و اِکرام کی بشارت بھی۔ از راہِ کرم غیر جانب دار ہو کر غور کیجیے کہ کسی بھی چیز سے اِجتناب کے لیے کیا کوئی اور پہلو بھی ہے، جو تشنۂ ذکر رہ گیا ہو؟ ساتھ ہی ساتھ اِجراے قانون کے لیے فطرتِ اِنسانی سے ہم آہنگ حکمت عملی بھی اپنائی گئی۔

اب یقین آیا کہ مارک کیلر نے یہ کیوں کہہ دیا کہ قرآن نے ایک سادہ طریقہ سے شراب کی مذمت کی اور پھر قرآن کے ماننے والوں نے اسے ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا، بل کہ وہ پیالے، برتن اور مٹکے بھی توڑ ڈالے جو مَے نوشی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔

شراب کے نقصانات

آپ نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین اِسلام نے نہایت ہی سختی کے ساتھ شراب سے اجتناب کا حکم دیا اور اسے نافذ العمل کر کے چھوڑا۔ یہاں یہ سوال تشنۂ جواب ہے کہ حرمت شراب کے لیے اس قدر سختی کیوں برتی گئی؟

اِس کا نظریاتی جواب تو وہ ہے، جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیا۔

"الا بشرب الخمر، فان شربها مفتاح کل شر" (۲)

---

(۱) مسند احمد، ج:۶، ص:۳۵۹

(۲) مصنف اِبن ابی شیبہ، ج:۵، ص:۵۱۱

"شراب سے دور رہو کہ بلاشبہ مَے نوشی ہر خرابی کی کنجی ہے۔"

اور تجرباتی جواب کے لیے روے زمین پر ہونے والے جرائم، حادثات اور واردات پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالیے۔

آٹھ سو صفحات پر مشتمل کینسر رپورٹ کا یہ حصہ پڑھیے:

"The report shows that alcohol-attributable cancers were responsible for a total of 337,400 deaths worldwide in 2010, mostly among men. The majority were liver cancer deaths, but drinking alcohol is also a risk for cancers of the mouth, oesophagus, bowel, stomach, pancreas, breast and others." (1)

"رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۳۳۷۴۰۰ اموات مَے نوشی کے نتیجے میں ہونے والے کینسر کی وجہ سے زیادہ تر مردوں میں ہوئیں۔ گو کہ ان میں زیادہ تعداد جگر کے کینسر میں مبتلا تھی، تاہم مَے نوشی منہ، گلے، آنت، پیٹ، لبلبہ اور پستان کے کینسر کا بھی سبب ہے۔"

اب آیئے صرف امریکہ میں شراب ومنشیات سے ہونے والے جرائم پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔

"Each year, more than 600,000 students between the ages of 18 and 24 are assaulted by another student who has been drinking. 95% of all violent crime on college campuses involves the use of alcohol by the assailant, victim or both. 90% of acquaintance rape and sexual assault on college campuses involves the use of

---

(1) *Sarah Boseley, The Guardian, 3 Feb,2014*

alcohol by the assailant, victim or both. Every day, 36 people die, and approximately 700 are injured, in motor vehicle crashes that involve an alcohol-impaired driver. Drinking and drugged driving is the number one cause of death, injury and disability of young people under the age of 21." (۱)

"ہر سال ۱۸ رسے ۲۴ سال عمر کے چھ لاکھ طلبہ وطالبات مے نوشی کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ کالجوں کے اِحاطے میں ہونے والے ۹۵٪ جرائم کی وجہ کسی ایک یا دونوں کی مے نوشی رہی۔ کالجوں کے اِحاطے میں ہونے والے ۹۰٪ جنسی دست درازی کی وجہ کسی ایک یا دونوں کی مے نوشی رہی۔

ہر دن سڑک حادثات میں مے نوشی کی وجہ سے ۳۶ لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور تقریباً ۷۰۰ افراد زخمی ہوتے ہیں۔ مے نوشی اور منشیات کی عادت ۲۱ سال سے کم عمر کے بچوں میں موت، زخمی ہونے اور اپاہج ہونے کا سبب اول ہے۔"

اب ذرا متذکرہ بالا اِنکشافات کے بعد دل تھام کر نتیجہ بھی سماعت کرلیں!

"The connection between alcohol, drugs and crime is clear. And, so is the connection between alcohol and drug addiction and crime. We need to break the chain that links drug addiction and crime." (۲)

"شراب، منشیات اور جرم کے درمیان تعلق بالکل ظاہر ہے، ٹھیک اسی طرح مے نوشی کی عادت، منشیات اور جرم کے درمیان بھی۔ ہمارے لیے ضروری

(۱) ***Professionals (NADCP)***، دیکھیے ویب سائٹ

(۲) ***National Association of Drug Court Professionals***

ہے کہ ہم منشیات اور جرم کے درمیان کی زنجیر کاٹ دیں۔"

دیکھ رہے ہیں آپ! شراب اور جرم کے درمیان کس قدر گہرے تعلقات ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی جیلوں میں مختلف جرائم کی پاداش میں سزا پانے والوں میں اکثریت ایسے مجرموں کی ہے، جو شراب اور منشیات کے عادی رہے ہیں۔

"Most inmates are in prison, at least in large part, because of alcohol and drugs. 80% of offenders abuse drugs or alcohol. Nearly 50% of jail and prison inmates are clinically addicted. Imprisonment has little effect on alcohol and drug abuse." (۱)

"زیادہ تر قیدی، کم سے کم بڑی تعداد میں، مے نوشی اور منشیات کے عادی ہونے کی وجہ سے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ۸۰ فی صد مجرموں نے شراب اور منشیات کے نشے میں جرائم کا ارتکاب کیا۔ تقریباً ۵۰ فی صد قیدی طبی طور پر عادی پائے گئے۔ قید میں رکھنا بھی مے نوشی اور منشیات پر قابو پانے میں زیادہ مؤثر نہیں ہوسکا ہے۔"

کالجوں، جیلوں اور دنیائے جرم میں شراب اور منشیات کی وجہ سے ہونے والی تباہی و بربادی کے ہولناک نتائج کی ایک جھلک دیکھ لینے کے بعد آیئے ذرا امریکہ کی سڑکوں پر رونگٹے کھڑے کردینے والے حادثات پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے ہیں:

"In 2009, 10,839 people were killed in alcohol-impaired-driving crashes. These alcohol-impaired-driving fatalities accounted for 32 percent of the total motor vehicle traffic fatalities in the United States." (۲)

(۱) ***National Association of Drug Court Professionals***

(۲) ***U.s.department of Transportation, 2009 Data***

"۲۰۰۹ء کے دوران مے نوشی کے نتیجے میں ۱۰۸۳۹/افراد سڑک حادثے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مے نوشی کی وجہ سے امریکہ میں ہونے والے حادثات گاڑیوں کے مجموعی حادثات کا ٪۳۲ بنتے ہیں۔"

Safety Driving Course میں دی گئی اِطلاع کے مطابق مے نوشی کی وجہ سے امریکی سرزمین پر ہونے والے حادثات کے نتیجے میں ۵۱.۱ بلین ڈالر کے اِخراجات ہوتے ہیں، جو کہ آمدورفت کے اِنتظام و اِنصرام کے حوالے سے کیے جانے والے مجموعی اِخراجات کا ٪۲۲ بنتا ہے۔ ❶

ازراہِ کرم غیر جانب دار ہو کر زیرِ بحث مسئلہ پر غور کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا ضمیر پکار اُٹھے گا کہ حرمتِ شراب و منشیات بلاوجہ نہیں ہے، بل کہ یہ ہمارے اعلیٰ ترین مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔

شراب پر عالمی پابندی

شراب کے مضر اثرات کی وجہ سے بیس ویں صدی کے دوران یورپ اور امریکہ میں شراب نوشی پر پابندی کی تحریکیں شروع ہوئیں، تاہم کہیں بھی مطلوبہ کامیابی نہیں مل سکی۔ مثال کے طور پر فن لینڈ میں شراب بندی کے لیے ۱۹۱۹ء میں ایکٹ پاس کیا گیا، لیکن ناکامی ہی ہاتھ آئی۔ چناں چہ ۱۹۳۲ء میں اسے منسوخ کر دینا پڑا۔ ٹھیک اسی طرح کے تجربات روس، آئی لینڈ، ناروے اور ہنگری میں بھی پوری طرح ناکام ہوئے۔ ❷

اسی طرح امریکہ میں ۱۹۱۹ء کے دوران **(National Prohibition Act)** 'قومی پابندی شراب' نامی ضابطہ بنایا گیا۔ جس کے مطابق سائنسی تحقیق، کارخانوں اور مذہبی ضرورتوں کے علاوہ شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ اب ہوا یہ کہ شراب کی خفیہ تجارت شروع ہوگئی اور اسے تحفظ دینے کے لیے جرائم پیشہ عناصر کی خدمات لی جانے لگیں، جس کے نتیجے میں غنڈہ گردی، قتل و خون اور افسوس ناک حادثات میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

---

❶ دیکھیے: ***American Safety Council***

❷ دیکھیے: ***Wine History: Peter Svans, E-book***

دھیرے دھیرے حالات دگرگوں ہوتے چلے گئے۔ بالآخر ۱۹۳۳ء میں پابندیِ شراب کے قانون کو پورے طور پر منسوخ کرنا پڑا اور دوبارہ مے نوشی کی عام اجازت دے دی گئی۔ ❶

اِسی طرح کہنے کو تو امریکہ میں ۱۸/سال عمر سے کم کے بچوں کے ہاتھوں شراب بیچنا ممنوع ہے اور یہ پابندی اِس قدر سختی کے ساتھ نافذ العمل ہے کہ خفیہ اِدارے تاجروں کو آزمانے کے لیے کبھی کبھی کسی بچے کو نمائندہ بنا کر بھیج دیتے ہیں، جس سے دکان داروں پر نفسیاتی خوف طاری رہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہزار اِحتیاط کے باوجود، بچے شراب نوشی کی عادت میں گرفتار ہیں۔ دلیل کے لیے یہ رپورٹ پڑھیے:

"Almost a quarter of all youth that begin smoking, drinking or using drugs of any kind before the age of 18 go on to become severely addicted to some sort of drug in adulthood according to a new study released this week by the National Center on Addiction and Substance Abuse (CASA). As a matter of fact, 90% of drug addictions begin in high school." ❷

"نوجوانوں کی چوتھائی تعداد ۱۸/سال کی عمر سے پہلے ہی سگریٹ نوشی، مے خواری اور منشیات سے دل بہلانے لگتی ہے، جو کہ بڑی عمر تک پہنچتے پہنچتے کسی نہ کسی نشہ کی خوگر ہو جاتی ہے۔ یہ بات (CASA) نے اسی ہفتہ شائع ہونے والی رپورٹ میں کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عادت نشہ کا ٪۹۰ حصہ ہائی اسکول کے زمانہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔"

---

❶ ***1919 Congressional Record, Vol. 65, p. 1944***

❷ ***Medical News Today, 30, June 2011***

آپ نے ماتھے کی آنکھ سے مشاہدہ کرلیا کہ عالمی سطح پر شراب کی ہول ناک تباہیوں کی وجہ سے پابندیاں لگائی گئیں اور بعض حالات میں ضابطے بھی بنائے گئے، تاہم مے نوشی پر قدغن لگانے میں مطلوبہ کام یابی حاصل نہیں کی جاسکی۔ دوسری جانب مذہب اِسلام نے پابندی لگائی اور اسے حیرت انگیز طور پر معاشرے نے بہ سروچشم قبول کرلیا۔ دونوں صورت حال میں فرق یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ صرف ضابطے کی بنیاد پر شراب نوشی سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے، لیکن اگر یہی ممانعت مذہبی عقیدہ کے جلو میں پیش کی جائے، تو اسے لوگ کھلے دل سے قبول کرلیتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اِسلام ہی صرف وہ تنہا دین ہے، جس نے پہلے بھی معاشرہ سے شراب کے مکمل خاتمے کو محسوسات میں تبدیل کردیا تھا اور آج بھی وہی روے زمین کو شراب ومنشیات سے پاک کر کے اسے جاذب و پُرکشش اور گہوارۂ امن وامان بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

OOO
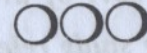
تیسری جھلک:

اخلاقی قدروں کا عروج

مذہب اِسلام نے اخلاقی قدروں کی تہذیب وتنظیم پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ غیر جانب داری کے ساتھ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ معاشرہ میں جب تک لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خصالِ حمیدہ اور شائستہ کردار کے ساتھ پیش نہیں آتے، اس وقت تک حیاتِ مستعار کی لذتوں سے آشنائی نہیں ہوسکتی، بل کہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو کہ عمدہ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے مزین افراد ہی حقیقت میں زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس لیے حیرت و اِستعجاب کی کوئی وجہ نہیں کہ اِسلام نے نہ صرف اپنے ماننے والوں کو آپس میں پاسدارِ اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دی ہے، بل کہ ان کے درمیان بھی بلند اخلاق وکردار کے ساتھ پیش آنے کی ہدایت دی ہے، جو دین اِسلام کی صداقت پر اِیمان ویقین نہیں رکھتے ہیں۔ آیئے متذکرہ موضوع کے حوالے سے چند ذیلی عناوین کے تحت گفت گو کرتے ہیں۔

ہم جنس پرستی

دنیا کی معلوم تاریخ کے مطابق ۱۳۶۸ء تا ۱۶۴۴ء کے دوران چین پر **Ming Dynasty** میں ہم جنس شادی کی بعض مثالیں مل جاتی ہیں، جب کہ ایک خاتون دوسری کم سن خاتون کے ساتھ آپس میں ایک ساتھ رہنے کا معاہدہ کرلیتی تھی۔ اسی طرح ایک مرد کا دوسرے مرد کے ساتھ رہنے کی مثال یورپ کے بعض علاقوں میں ملتی ہے۔ دوسرے تاریخ داں کے مطابق **Zhou Dynasty** کے دوران بھی چین میں ہم جنس کے درمیان شادی کی مثالیں ملتی ہیں جن کا عہد ۱۰۴۶/تا۱۲۵۶/ماقبل مسیح ہے۔ اسی طرح رومن امپائر کے

مطالعہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی ہم جنس پرستی کا رواج کسی نہ کسی طور ضرور رہا ہے۔

موجودہ عہد میں اگر ہم اس حوالے سے دنیا پر نگاہ ڈالیں تو یہ امر واضح نظر آتا ہے کہ ہالینڈ نے ۲۰۰۱ء میں سب سے پہلے دنیا میں ہم جنس پرستوں کی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس کے بعد تیزی کے ساتھ دوسرے ملکوں میں بھی اسے قانونی طور پر تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا جانے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہالینڈ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کئی دوسرے ملکوں نے بھی اسے قانونی جواز فراہم کر دیا۔ ان ممالک میں امریکہ، ارجنٹائنا، بلجیم، کناڈا، آئی لینڈ، ناروے، پرتگال، اسپین، ساؤتھ افریقہ اور سویڈن شامل ہیں۔ اس طرح صرف دس سال کے عرصے میں دس ملکوں نے اسے زندگی گزارنے کا ایک قانونی طریقہ تسلیم کر لیا۔ ہم جنس پرستی کی حمایت کرنے والے یہ امید کر رہے ہیں کہ ۲۰۱۲ء کے اخیر تک دس مزید ملکوں میں اسے قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا اور جس طرح سے دنیا کے مختلف ملکوں میں یہ تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ لوگ یقینی طور پر اپنا مقررہ ہدف حاصل کر لیں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ مذہب پسندوں کی طرف سے ایسے اِقدامات کی مذمت نہ کی جا رہی ہو، لیکن اس کے باوجود ''آزادیِ اِنسانیت'' کے نام نہاد دعوے دار ہر جگہ کام یاب ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ خود امریکہ میں ری پبلیکن سیاسی پارٹی جو کہ قدرے مذہبی رجحانات کی حامی ہے، اس کی مخالفت میں آواز بلند کرتی رہی ہے۔ بل کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بش جونیئر کے دوسری بار صدارتی اِنتخاب میں کام یابی کے جہاں دوسرے عوامل رہے ہیں، وہیں ہم جنس پرستوں کی شادی کے خلاف واضح بیانات کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ جس وقت نیویارک میں ہم جنس پرستوں کے درمیان شادی کو قانونی طور پر تسلیم کیا گیا تھا تو کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھنے والے پادریوں نے اسے نہایت ہی افسوس ناک قرار دیا تھا۔ ابھی حال ہی میں اس حوالے سے واشنگٹن میں جو بل ایوان میں پاس ہوا ہے اس میں بھی ایسا نہیں ہے کہ سارے ممبران نے اس کی حمایت کی ہے، بل کہ اطلاع کے مطابق اس کی حمایت میں پچپن جب

کہ مخالفت میں پینتالیس ووٹ ڈالے گئے۔ ان اِنکشافات کے بعد یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے فرسودہ خیالات کی بہت بڑے پیمانے پر پذیرائی نہیں ہو رہی ہے، لیکن جمہوریت کے طے شدہ ضابطوں کے پیش نظر اکثریت کی حمایت حاصل ہوتے ہی اسے قانونی شکل بہ ہر حال حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اسی تیزی کے ساتھ اگر اس تحریک کو کام یابیاں ملتی رہیں تو یہ دنیا کے لیے تباہ کن نتائج کا باعث بن جائے گا۔ یہ تو کہیے کہ ابھی ہم جنس پرستی کی مخالفت کرنے والے خیمے میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو حقوقِ انسانی کی آزادی کے حوالے سے بھی صدائے اِحتجاج بلند کرتے رہتے ہیں، لیکن وہ وقت کس قدر خوف ناک ہوگا جب ہم جنس پرستی کی حمایت کرنا ''حقوقِ اِنسانی'' کے لیے لڑنے کا متبادل بن جائے۔ پھر تو لوگ اپنے آپ کو محض اِنسانیت دوست ثابت کرنے کے لیے ہم جنس پرستی کی حمایت کرنے لگیں گے۔

اِسلامی نقطہ نگاہ سے

ہم جنس پرستی کے حوالے سے اِسلام کا موقف نہایت ہی سخت ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ یہ تحریک تیزی کے ساتھ نبضِ ہستی کی تپش سرد کرنے میں مصروف ہے۔ قرآنِ مقدس کے مطابق قومِ لوط نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لیے عورتوں کی بہ جائے مردوں سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

''وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ'' [1]

''اور اسی طرح ہم نے لوط کو مبعوث فرمایا، تو انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو، جسے تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو اپنی ہوس کا ذریعہ بناتے ہو، بل کہ تم حد سے بڑھے ہوئے ہو۔'' (فیضان القرآن)

ان کی یہ قبیح حرکت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اللہ رب

[1] قرآن کریم، سورت: ۷، آیات: ۸۰،۸۱

العزت نے لڑکوں کی ظاہری صورت میں فرشتے بھیجے، تو وہ سب ان کے ساتھ برائی کا اِرادہ کرنے لگے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ رات کے حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں۔ ہمیں ان پر ہی عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس کے بعد آسمان سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔

’’وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ‘‘ ❶

’’ہم نے ان بے حیائی کرنے والوں پر پتھروں کی بارش کردی، پس دیکھو مجرموں کا کس قدر خوف ناک انجام ہوا۔‘‘ (فیضان القرآن)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہم جنس پرستی کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور سخت سزا سے خبردار فرمایا ہے:

’’لعن اللّٰہ من عمل عمل قوم لوط، ثلاثاً‘‘ ❷

’’سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے قومِ لوط کی طرح عمل کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے، اور یہ جملہ آپ نے تین بار دہرایا۔‘‘

اسی طرح روزِ قیامت ایسے لوگوں کی بدنصیبی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

’’لا ینظر اللّٰہ الی رجل اتی رجلا او امراۃ فی دبرھا‘‘ ❸

’’اللہ رب العزت ایسے لوگوں پر نظرِ رحمت نہیں ڈالے گا، جو کسی مرد یا عورت کے پیچھے مقام میں بدفعلی کرتے ہیں۔‘‘

متذکرہ بالا دلائل و براہین سے یہ امر آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ اِسلام نے نہایت ہی سخت لب و لہجے میں نہ صرف ہم جنس پرستی کی مذمت کی ہے، بل کہ اسے ناجائز و حرام بھی قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ، خواہ عورت کے ساتھ ہو یا مرد کے ساتھ، اسے قابل مؤاخذہ جرم کی فہرست میں شامل کر کے مسلمانوں کو لواطت سے بچانے کی کام یاب کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ دنیا کے کونے کونے میں

❶ قرآن کریم، سورت:۷، آیت:۸۴

❷ مسند احمد، ج:۱، ص:۵۲۲

❸ نفس مصدر، ج:۴، ص:۳۶۷

ہم جنس پرستی کی حمایت میں ایک طبقہ سرگرم عمل ہے، پورے عالم اِسلام میں اس کی پشت پناہی کرنے والا کوئی گروہ سامنے نہیں آسکا ہے۔ اب اگر جزوی اِعتبار سے کہیں ایک دو اِباحیت پسند ہم جنس پرست مسلمان مل بھی جائیں، تو وہ اسلام کی کام یاب کوششوں کی شبیہ مسخ نہیں کرسکتے، کہ ضابطہ شکنی کرنے والے لوگوں سے یہ دنیا کب خالی رہی ہے؟

عقلی اِستدلال سے

دِل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ کیا ہم جنس پرستی کی تحریک دنیا کو تباہی کی طرف لے جانے کی ایک منظّم کوشش نظر نہیں آتی؟ یہ بات تو اتنی موٹی ہے کہ دور افتادہ علاقے کا ایک عام انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب ہمیں ایک نہ ایک دن مرجانا ہے اور ہمارے بعد کوئی دوسرا آئے گا نہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا گھر ویران و برباد ہوجائے گا۔ کسی فردِ واحد کے لیے یہی ذاتی گھر بڑے پیمانے پر عوام کے لیے دنیا ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو ’’پڑھے لکھے‘‘ لوگ تعلیم و ترقی اور دنیا کو مزید پرکشش بنانے کی وکالت کرتے ہیں اور دوسری طرف ایسے لوگوں کی حمایت بھی کرتے ہیں جو دنیا کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسے فکری تصادم کی شرم ناک مثال کہنا حالات کی صحیح ترجمانی ہوگی۔

اگر دہشت پسندی کی مذمت اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ دہشت گردی کے واقعات سے ہنستی کھیلتی آبادی ویرانے میں تبدیل ہوجاتی ہے تو ہم جنس پرستی سے بھی تو نتیجے کے طور پر دنیا ایک نہ ایک دن ویران ہوجائے گی۔ ایک ہی وجہ مذمت و اِستنکار اگر دونوں صورتوں میں موجود ہے، تو ایک کی مذمت اور دوسرے کی پذیرائی آخر کس جذبے میں؟ یہ صحیح ہے کہ دونوں میں فرق ہے، لیکن یہ برائے نام ہی ہے، وہ یہ کہ دہشت گردی کے واقعات سے دنیا علی الفور ویران ہوجائے گی، جب کہ ہم جنس پرستی سے یہی ویرانی تسلسل کے ساتھ آہستہ آہستہ ہوگی، لیکن دونوں کا لازمی نتیجہ تو بہ ہر حال ویرانی ہے۔

اچھا اب ایک دوسرے زاویے سے زیرِ غور موضوع پر نگاہ ڈالیے۔ یہ بات مسلم ہے کہ دنیا کی ہر تحریک کے داعی یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے سب لوگ ان کی تحریک کو اپنا لیں۔ یہ حال صرف دینی تحریک کے داعیوں تک محدود نہیں، بل کہ سیاسی زعما سے لے کر سماجی،

تجارتی اور تفریحی کلچر سے تعلق رکھنے والوں تک کا حال یہی ہے، لیکن یہ ہم جنس پرستی کی تحریک کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اس کے داعی ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ دنیا کا ہر فرد اسے اپنا لے۔ یہ اس لیے کہ نہ صرف ایسا کرنے سے دنیا ختم ہو جائے گی، بل کہ دنیا کے ساتھ ساتھ ان کی تحریک بھی مر جائے گی۔ لہٰذا اپنی تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے انھیں بہ ہر حال کچھ لوگوں سے گزارش کرنی ہوگی کہ وہ ان کے مشن میں شرکت نہ کریں۔ یہاں پہنچ کر ان کے فکری سرمایہ کا سارا غرور خاک میں ملتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں سے اپنی تحریک میں شرکت کی اپیل کریں اور دوسروں سے شرکت نہ کرنے کی گزارش۔

اب ذرا ہوش کے ناخن لیں کہ تحریکیں تو اس جذبے میں ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے نہ کہ نقصان، تاریکی میں ڈوبی ہوئی زندگی میں اُجالا بکھیرا جائے نہ کہ چراغِ زندگی کی لَو ہی بجھا دی جائے۔

حجاب وحیا

ایسے صحت مند معاشرہ کی تعمیر اِسلامی ترجیحات کا حصہ ہے، کہ جس میں افراد اپنے شخصی وقار و تمکنت اور اِجتماعی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنا سکیں، اور کوئی شک نہیں کہ یہ بات اسی وقت ممکن ہے، جب مرد و زن اپنے اپنے حدود میں رہیں اور ایک دوسرے پر دست درازیوں سے اِجتناب کریں۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ دنیا نے متذکرہ مقصد کے حصول کے لیے عمومی طور پر صرف ایک ہی سمت دیکھا ہے اور وہ یہ کہ سخت سے سخت قوانین وضوابط کے اِجرا کے ذریعہ جنسی دست درازیوں پر قدغن لگانے کی کوششیں۔ حالات وواقعات پر عقابی نگاہ رکھنے والے گواہی دیں گے کہ سخت ترین ضابطے بھی معاشرہ کو جنسی دست درازیوں سے محفوظ رکھنے میں اب تک کام یاب نہ ہو سکے۔

تقریبِ فہم کے لیے یہاں ہم صرف کناڈا اور برطانیہ کے حالات پر غور کرتے ہیں۔
کیا اس امر میں کوئی شک ہے کہ یورپی ممالک میں قانون کی بالا دستی قائم ہے اور نہایت ہی سختی کے ساتھ ہر شخص کو قوانین وضوابط کی پاسداری کا خوگر بنانے کی کوششیں کی جاتی ہیں، تاہم حیرت ہوتی ہے کہ سخت ترین قوانین کے باوجود ہر سال کثرت سے جنسی دست درازی

(Sex Abuse) کے افسوس ناک واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔
کناڈا میں جنسی دست درازیوں کے واقعات کا تخمینی حاصلہ کچھ اس طرح ہے:

"All people are potential victims, regardless of gender, age, race, religion, sexual orientation, education or physical description.

One of every 17 Canadian women is raped at some point in her life. A woman is sexually assaulted by forced intercourse every 17 minutes in Canada. Girls and young women between the ages of 15-24 are the most likely victims. 80% of assaults happen in the victim's home. 70% of rapes are committed by a perpetrator who knows the victims (relative, friend, neighbour, colleague, or other acquaintance). Approximately one half of all rapes occur on dates. 62% of victims are physically injured in the attack; 9% are beaten severely or disfigured. Statistics Canada has found that one in four girls and one in eight boys have been sexually abused by the time they are eighteen." [1]

”سارے لوگ شکار ہو سکتے ہیں، خواہ وہ کسی جنس، عمر، مذہب، جنسی رُجحان، تعلیم اور ظاہری تفصیلات کے ساتھ ہوں۔ ہر ۱۷ ر کناڈین خاتون میں سے

---

[1] ***Justice Institute of British Sexual Assault Statistics, Columbia, 2013***

ایک کی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں عصمت دری ہوتی ہے۔ کناڈا میں ہر ۱۷/ منٹ میں ایک خاتون کے ساتھ زنا بالجبر کیا جاتا ہے۔ ۱۵/ سے ۲۴ سال کی عمر کی لڑکیاں اور نوعمر عورتیں زیادہ تر شکار ہوتی ہیں۔ ۸۰٪ حادثات زیادتی کا شکار ہونے والی خاتون کے گھر میں ہوتے ہیں۔ ۷۰٪ حادثات میں ایسے لوگ ملوث ہوتے ہیں، جو خاتون کو پہلے سے جانتے ہیں، جیسے رشتہ دار، دوست، پڑوسی، ساتھی اور دوسرے واقف کار۔ عصمت دری کے تقریباً آدھے واقعات اس وقت ہوتے ہیں جب دونوں پیار ومحبت کے دوران ملاقات کرتے ہیں۔ ۶۲٪ واقعات میں زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین زخمی ہوتی ہیں، جن میں سے ۹٪ کو شدید چوٹیں آتی ہیں۔ کناڈا کے اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ چار میں سے ایک لڑکی اور آٹھ میں سے ایک لڑکا اس وقت جنسی دست درازی کا شکار ہوتے ہیں، جب کہ ان کی عمریں ۱۸/ سال ہوتی ہیں۔"

اب ذرا برطانیہ کے اعداد وشمار پر ایک نگاہ ڈالیے:

"Based on aggregated data from the 'Crime Survey for England and Wales' in 2009/10, 2010/11 and 2011/12, on average, 2.5 per cent of females and 0.4 per cent of males said that they had been a victim of a sexual offence (including attempts) in the previous 12 months. This represents around 473,000 adults being victims of sexual offences (around 404,000 females and 72,000 males) on average per year." [1]

"جرائم کے حوالے سے ہونے والے مجموعی سروے کے مطابق ۲۰۰۹-

[1] *An Overview of Sexual Offending in England and Wales, Home Office and Ministry of Justice10 January 2013*

۲۰۱۰/ اور ۲۰۱۰-۲۰۱۱ کے درمیان برطانیہ اور ویلز میں اوسطاً ۲.۵٪ عورتیں اور ۰.۴٪ مردوں نے کہا ہے کہ وہ گذشتہ بارہ مہینوں میں عصمت دری کا شکار ہوئے ہیں، خیال رہے کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جن پر دست درازی کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوسطاً ہر سال ۴۷۳۰۰۰ بالغین جنسی دست درازی کا شکار ہوئے، جن میں ۴۰۴۰۰۰ خواتین اور ۷۲۰۰۰ مرد ہیں۔"

میں نے نمونے کے طور پر صرف دو ممالک کے اعداد وشمار آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، ورنہ اگر متذکرہ پس منظر میں دنیا کے بڑے سے بڑے ممالک کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے، تو یہ بہ جائے خود ایک مستقل کتاب بن جائے گی اور مجھ پر طے شدہ موضوع سے انحراف کرنے کا الزام بجا طور پر عائد کردیا جائے گا۔

بہ ہر کیف، پیش کردہ مثالوں سے میرا مدعائے سخن آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ عصمت دری کے افسوس ناک واقعات کو روکنے کے لیے محض قوانین وضوابط عملی طور پر کافی نہیں ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ معاشرہ اس وقت تک پُر امن، خوب صورت اور قابل ستائش نہیں ہوسکتا، جب تک کہ عصمت دری کے مذموم حادثات کو لگام دینے میں ہم کام یاب نہیں ہوجاتے۔

اب آیئے ذرا دیکھیں کہ دین اسلام نے زیر بحث مسئلہ کے حل کے لیے کیا تدبیریں اختیار کی ہیں، نیز تاریخی شواہد ومعلومات کے سہارے یہ بھی جاننے کی کوشش کریں کہ وہ تدبیریں کس حد تک کام یاب ہوئی ہیں، اس لیے کہ صرف نظریاتی اعتبار سے قوانین وضوابط کی تحسین وپذیرائی سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعی تجرباتی میدانوں میں بھی بار آور ثابت ہوجائیں اور متعینہ مقاصد واہداف تک پہنچانے میں مدد ومعاون بھی ہوجائیں۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے

دین اسلام نے عصمت دری کے افسوس ناک واقعات کی بیخ کنی کے لیے نہ صرف سخت ترین ضابطہ بنایا ہے، بل کہ ان عوامل وعناصر کی راہیں بھی بند کردی ہیں، جن سے

ہو کر یہ مذموم حرکت معرضِ وجود میں آتی ہے۔ ہم یہاں دانستہ طور پر زانی اور زانیہ کے لیے شریعت اِسلامیہ کی روشنی میں طے شدہ سزاؤں کے تذکرے سے اِجتناب کریں گے۔ وہ اس لیے کہ مجھے شرعی حدود و قصاص پر ایک علٰحدہ باب میں بحث کرنی ہے اور ایک ہی بات کو بار بار دہرانا مناسب نہیں خیال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیئے ہم سر دست عصمت دری کے افسوس ناک واقعات کو روکنے کے لیے دین اِسلام کے طرف سے کیے گئے اِحتیاطی اِقدامات پر قدرے گفت گو کرتے ہیں۔

میری سمجھ کے مطابق متذکرہ بالا اِقدامات مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں، تاہم وہ انھی پر محصور نہیں، بل کہ بہت ممکن ہے کہ مزید غور و فکر کے نتیجے میں یہ فہرست کچھ اور لمبی ہو جائے۔

۱۔ مرد و زن نگاہیں نیچی رکھیں!

کوئی شک نہیں کہ مرد و زن کا ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا نفسانی خواہشات کے اُبھارنے کی جانب پہلا قدم ہوتا ہے۔ قرآنِ مقدس یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ، وَ قُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ....." ❶

"اے محبوب! آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کی شرافت و پاکیزگی کے تحفظ کے لیے بہتر طریقہ ہے، بلاشبہہ اللہ وہ سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے، جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اے محبوب! اسی طرح آپ مسلمان خواتین سے کہیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں......" (فیضان القرآن)

۲۔ خلوت سے اِجتناب:

دین اِسلام نے کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں ملاقات سے اِجتناب کی تعلیم

❶ قرآن کریم، سورت: ۲۴، آیات: ۳۰، ۳۱

دی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تنہائی میں ملاقات سے گناہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ محسنِ اِنسانیت سرکارِ دو عالم ﷺ نے اِرشاد فرماتے ہیں:

"لا يخلون رجل بامراة الا كان ثالثها الشيطان" ❶

"کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں جب بھی اکٹھے ہوتا ہے، تو ان کے درمیان تیسرا شیطان رہتا ہے۔"

اِسلامی عقیدے کے مطابق شیطان ہی کے شر کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں، لہٰذا جب مرد و زن تنہائی میں ہوں، تو شیطان اپنی شاطرانہ چالوں سے دونوں کے جذبات برانگیختہ کر دیتا ہے، جو بسا اوقات اِرتکابِ گناہ کا باعث بن جاتے ہیں۔

اسی پس منظر میں یہ حدیث بھی دیکھیں:

"اياكم و الدخول على النساء، فقال رجل من الانصار: يا رسول الله، افرايت الحمو، قال: الحمو الموت" ❷

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ تم غیر عورتوں کے پاس جانے سے اِجتناب کرو، ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر وہ شخص عورت کا دیور ہو؟ آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت کی طرح خطرناک ہے۔"

ایک مثال:

تنہائی میں غیر محرم سے ملاقات کے بھیانک نتائج کے پس منظر میں بہ طور مثال امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن اور مانیکا لیونسکی کے درمیان کے ناجائز رشتہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ مصدقہ اِطلاعات کے مطابق ۱۹۹۵ء کے دوران ۲۲ سالہ مانیکا لیونسکی نے اپنے کالج سے فراغت کے بعد وہائٹ ہاؤس میں تدریبی حیثیت سے ملازمت اِختیار کی۔ دھیرے دھیرے وہ بل کلنٹن کے قریب ہوتی گئیں، جو دونوں کے درمیان ناجائز تعلقات تک جا پہنچا۔ مانیکا کے اِعترافی بیان کے مطابق ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۷ء کے دوران بل کلنٹن نے ان

❶ ترمذی، ج:۱، ص:۹۰

❷ بخاری، ج:۱۴، ص:۱۲۷

کے ساتھ نو مرتبہ جنسی تعلقات قائم کیے۔ پہلے تو بل کلنٹن بہ بانگ دہل اِنکار کرتے رہے کہ یہ سب بے بنیاد اِلزامات ہیں، تاہم ایک نا قابل اِنکار ثبوت کے آگے انھیں سرنگوں ہونا پڑا۔ ہوا یہ کہ مانیکا لیونسکی نے بل کلنٹن کے ساتھ اپنے خفیہ تعلقات کے بارے میں جب لینڈا ٹرپ کو بتایا تو اس نے مشورہ دیا کہ بل کلنٹن کے مادہ منویہ کے نشانات اپنے کپڑے سے نہ دھوئے اور اسے باقی رکھے۔ لہٰذا دورانِ تفتیش مانیکا لیونسکی نے وہ لباس اِنتظامیہ کے حوالے کر دیا، جس سے حاصل شدہ ڈی۔ این۔ اے کو بل کلنٹن کے ڈی۔ این۔ اے کے ساتھ موازنہ کرنے پر دونوں میں پوری مشابہت ظاہر ہوگئی اور پھر اِعترافِ جرم کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچا۔ (1)

ایک دوسری مثال:

اِسماعیلی فرقہ کے روحانی پیشوا پرنس کریم آغا خان چہارم نے مئی ۱۹۹۸ء میں ***Gabriele Renate Inaara Zu Leini*** سے شادی کر لی، تاہم چند سالوں کے بعد ہی دونوں کے درمیان اِختلافات شروع ہوگئے۔ عائلی زندگی میں تلخیاں اس وقت بڑھ گئیں، جب ایک خاتون کے ساتھ آغا خان کے جنسی تعلقات کا سربستہ راز فاش ہوا۔ پھر کیا تھا انارا بیگم نے اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست دے دی۔ عدالت میں گذشتہ پندرہ سالوں سے چلنے والے متذکرہ مقدمہ کی تفتیش کے دوران انارا بیگم کے وکیل نے منصف کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی موکلہ کے ساتھ عہد شکنی کی گئی ہے اور ثبوت کے لیے آغا خان اور ایک ائر ہوسٹس کے درمیان شرم ناک حالات پر مشتمل نا قابل اِنکار دستاویز مہیا کر دیے، جو انارا بیگم نے اپنے ایک معتمد کے ذریعہ ری کارڈ کروایا تھا۔ طلاق کے معاملات کے تصفیہ کے لیے چلنے والا یہ مقدمہ بالآخر مارچ ۲۰۱۴ء میں اِختتام کو پہنچا اور عدالت نے انارا بیگم کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے پرنس آغا خان کو ۵۰ ملین پاؤنڈ دینے کا حکم دیا ہے، جسے طلاق کی تاریخ کے مہنگے ترین فیصلوں میں شمار کیا جا رہا ہے۔ (1)

(1) دیکھیے: ***Clinton. Address to the nation, PBS.org, 17 August 1998***

(1) دیکھیے: ***The Telegraph, 15, March 2014***

دیکھ رہے ہیں آپ کہ کس طرح تنہائی میں اجنبی خواتین سے ملاقاتیں ناجائز تعلقات کی چوکھٹ تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور یہ دونوں واقعات عام شہریوں کے حوالے سے نہیں ہیں، بل کہ اپنے اپنے حلقۂ اثرات میں دونوں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے رہے۔ قرین قیاس ہے کہ مقام و مرتبہ کے پیش نگاہ دونوں نے شرم ناک حرکتوں سے اِجتناب کی اِنتہائی کوششیں ضرور کی ہوں گی، تاہم اجنبی خواتین سے تنہائی میں ملاقات سے پرہیز نہ کرنے کے سبب شرم ناک صورت حال سے دوچار ہوگئے۔

۳-شرم وحیا

بدکاری اور بے حیائی کے درمیان چولی دامن کا رشتہ ہے۔ اپنے تو اپنے غیر بھی یہ اِعتراف کرتے ہیں کہ عصمت دری کے افسوس ناک واقعات کے پس پشت جو ممکنہ عوامل ہو سکتے ہیں، ان میں بے حیائی سر فہرست ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ شرم وحیا کا فقدان دھیرے دھیرے بدکاری کی راہ آسان کر دیتا ہے، پھر جو اپنے اعصاب پر قابو رکھنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں، وہ اپنے آپ کو معصیت سے بچا لیتے ہیں اور جو کم زور اعصاب کے مالک ہوتے ہیں، ان کے دامن آلودۂ معصیت ہو ہی جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلام نے دروازۂ معصیت و گناہ ہی کو پوری طرح بند کر دیا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان الحیاء من الایمان" (1)

"بے شک حیا اِیمان کا حصہ ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"الحیاء لا یاتی الا بخیر" (2)

"حیا سوائے بھلائی کے کچھ نہیں دیتی۔"

حیا اور اِیمان کے درمیان اسی اٹوٹ رشتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

(1) بخاری، ج:۱،ص:۱۶

(2) مسلم، ج:۲،ص:۶

"ان الحیاء و الایمان قرنا جمیعا، فاذا رفع احدھما، رفع الآخر" ❶

"حیا اور ایمان ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، جب دونوں میں سے ایک نکل جائے، تو دوسرا خود بہ خود نکل جاتا ہے۔"

ظاہر ہے جس کے نزدیک ایمان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہو جائے، وہ نہ صرف اس کی حفاظت وصیانت کی کوشش کرے گا، بل کہ ہر وہ راستہ بند کرنے کی منصوبہ بندی بھی کرے گا، جس سے ضیاعِ ایمان کے اِمکانات پیدا ہو سکتے ہوں۔

ذرا دیکھیے کہ بے حیائی و بے شرمی کے خوف ناک عواقب سے ڈراتے ہوئے سرکار دوعالم ﷺ نے کس قدر خوب صورت بات کہی ہے:

"الحیاء من الایمان، و الایمان فی الجنۃ، و البذاء من الجفاء، و الجفاء فی النار" ❷

"حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان کی جگہ جنت میں ہے، جب کہ بے حیائی زیادتی ہے اور زیادتی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

ایک موقع پر دینِ اسلام اور حیا کے درمیان رشتہ اُلفت کی وضاحت کرتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لکل دین خلق، و خلق الاسلام الحیاء" ❸

"ہر دین کے لیے ایک خصلت ہوتی ہے، اور اِسلام کی خصلت حیا ہے۔"

مجھے یقین ہے کہ متذکرہ بالا احادیث سے نہ صرف اسلام کے نزدیک شرم وحیا کی اہمیت واضح ہوگئی ہے، بل کہ ایمان اور شرم وحیا کے درمیان اٹوٹ رشتۂ اُلفت ومحبت کی واقعی تصویر بھی نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہوگئی ہے۔

❶ مشکوٰۃ المصابیح، ج:۳، ص:۸۸

❷ ترمذی، ج:۶، ص:۱۱۶

❸ مؤطا امام مالک، ج:۴، ص:۲۵۶

شرم وحیا کی تعلیم دیتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان اللہ تعالیٰ حی ستیر یحب الحیاء و الستر، فاذا اغتسل احدکم فلیستتر" ❶

"بے شک اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ دار ہے، نیز حیا اور پردہ پوشی پسند فرماتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو چاہیے کہ پردہ میں کرے۔"

یہ تو رہی دامنِ اسلام میں شرم وحیا کی اہمیت، اب ذرا غیر جانب داری کے ساتھ تجرباتی آئینہ میں اس کے اثرات کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ جنسی دست درازی کے افسوس ناک واقعات کو روکنے میں یہ کہاں تک معاون ومددگار ثابت ہوا ہے۔

ممبئی کے مصروف ترین علاقے میں ایک مرتبہ بازار میں گھومنے والوں کا خفیہ کیمرہ کی مدد سے اسٹنگ آپریشن کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے ذمہ داروں نے ایک خوب صورت لڑکی کو برانگیختہ کرنے والا لباس پہنایا اور پھر اسے پُرکشش سنگھار کے بعد سڑک کے کنارے ایک موڑ پر کچھ دیر کے لیے کھڑا کر دیا۔ کیمرہ کی آنکھ نے دیکھا کہ گزرنے والے مرد اسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں، بل کہ کچھ نے تو گندے فقرے تک کسے۔ ان گھورنے والوں میں نوجوانوں سے لے کر بڑی عمر کے بوڑھے بھی شامل تھے۔ کچھ دیر کے بعد اُنھوں نے اسی لڑکی کو قدرے مہذب اور شائستہ لباس پہنا کر دوبارہ کھڑا کیا۔ اب دیکھا گیا کہ کافی دیر تک اسی جگہ کھڑے رہنے کے باوجود نہ تو کوئی لڑکی پر غلط نگاہ ڈال رہا ہے، نہ ہی للچائی ہوئی مسکراہٹ کسی کے ہونٹوں پر رقص کر رہی ہے اور نہ ہی کوئی جملے کس رہا ہے۔ ❷

برانگیختہ کرنے والے لباس کی وجہ سے جنسی دست درازی کے واقعات میں اِضافہ ایک ایسی حقیقت ہے، جسے پوری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ یقین نہیں آتا تو نمونے کے طور پر چند اخباری رپورٹ پڑھتے چلیے۔

یوگانڈا میں صدر نے ایک بل پاس کیا ہے:

❶ ابوداؤد، ج:۱۱، ص:۵۰

❷ دیکھیے؛ جام نور، صفحہ:۴، جون ۲۰۰۸ء

"Ethics and Integrity Minister Simon Lokodo said Tuesday that it is now forbidden to wear any clothing that could be deemed sexually exciting.
If you dress in such a way that you irritate the mind and excite the people then you are badly dressed; if you draw the attention of the other person outside there with a malicious purpose of exciting and stimulating him or her into sex, he said." [1]

"اخلاقیات اور تعلقات کے وزیر سیمون لوکوڈو نے بہ روز منگل بیان دیتے ہوئے کہا کہ اب ہر وہ لباس ممنوع کیا جاتا ہے جو جنسی رُجحان پر برانگیختہ کرنے والا ہو۔ اگر آپ نے ایسا لباس زیب تن کیا ہوا ہے، جو دماغی خلجان کا باعث بنے اور لوگوں کو برانگیختہ کرے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے برا لباس پہنا ہے، جیسے اگر آپ باہر لوگوں کو برے مقاصد اور مرد یا عورت کو جنسی دست درازی کی حوصلہ افزائی کا سبب بن رہے ہوں۔"

سوازی لینڈ افریقہ کے حوالے سے یہ رپورٹ پڑھیے:

"Women in Swaziland have been banned from wearing miniskirts and crop tops because they 'encourage rape' - and offenders face a six-month spell in jail." [2]

"سوازی لینڈ میں عورتوں کے لیے مِنی اسکرٹ اور کارپ ٹاپ پہننا ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ عصمت دری پر اکساتے ہیں، لہٰذا قانون شکنی کرنے والی خواتین کو چھ ماہ کی جیل کا سامنا کرنے پڑے گا۔"

---

[1] *Voice Of America, 19 Feb, 2014*

[2] *Mail online, 24 Dec, 2012*

ساؤتھ کوریا میں شارٹ اسکرٹ پر پابندی عائد کردی گئی۔

Under the decree, approved by the new government during President Park Geun-hye's first Cabinet meeting earlier this month, people deemed to be "overexposed" in public will be subject to a fine of 50,000 KRW (US$45) [1]

"صدر پارک جیون ہائی کی نئی حکومت کے دوران ماہِ رواں کے اوائل میں ہونے والی پہلی کیبنٹ میٹنگ میں کیے گئے فیصلے کے مطابق جو بھی عوامی مقامات میں عریاں لباس زیب تن کرے، اسے ساؤتھ کورین کرنسی میں ۵۰۰۰۰ وان بہ طور جرمانہ ادا کرنا ہوگا، جو کہ ۴۵ ڈالر کے مساوی ہے۔"

پولینڈ میں عریاں لباس پہننے کے حوالے سے اسے پڑھیے:

"One Polish legislator has announced plans for a bill that would ban miniskirts and other enticements." [2]

"ایک پولش قانون ساز نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایک ایسا قانون لانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، جس کے ذریعہ مِنی اسکرٹ اور دوسرے برانگیختہ کرنے والے لباسوں پر پابندی عائد کی جاسکے۔"

اور نفسانی خواہشات کو برانگیختہ کرنے والے لباسوں کے منفی اثرات سے صرف عوامی اِجتماعات ہی نہیں، بل کہ علمی دانش گاہیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بعض مشہور و معروف یونی ورسٹیوں نے بھی جرات مندانہ اِقدامات کے ذریعہ ایسے بے ہنگم لباسوں پر پابندی عائد کرنے کی اِبتدا کی ہے۔ مثال کے طور پر ہنگری کے کاپوسور یونی ورسٹی کے حوالے سے یہ بیان پڑھیے:

---

[1] *CNN, March 21, 2013*

[2] *Spiegel Online International , May 09, 2007*

"Flip-flops, miniskirts and heavy make up have all been banned under a dress code introduced at Hungary's Kaposvar University." [1]

''ہنگری کے کاپوسور یونی ورسٹی میں ضابطۂ لباس کے نفاذ کے ذریعہ جسم سے ڈھلکتا ہوا لباس، منی اسکرٹ اور زبردست سنگھار وغیرہ پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔''

بے ہنگم لباس پر پابندی کے حوالے سے یہ صرف چند نمونے ہیں۔ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ یہ مثالیں کسی ایک خطۂ زمین سے متعلق نہیں ہیں کہ کوئی انھیں جزوی حالت کی عکاسی کرنے والے خانہ میں رکھتے ہوئے بے وزن قرار دے سکے، بل کہ دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والی یہ مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ اپنے تو اپنے ہیں، غیر بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عصمت دری کے افسوس ناک واقعات کے اِضافہ میں بہت حد تک بے ہنگم اور نیم عریاں لباس بھی ذمہ دار ہیں۔

یہیں سے اِسلامی تہذیب وتمدن کی سربلندی آفتاب وماہ تاب بن کر افقِ عالم پر چمکنے لگتی ہے کہ دنیا نے جسے پہلے بلندی وترقی کی علامت سمجھ رکھا تھا، جب اس کے منفی اثرات نگاہوں کے سامنے آئے، تو انھیں حقیقت سے واقفیت ہوئی، جب کہ ہمارے دین نے پہلے ہی سے وہ سارے دروازے بند کردیے ہیں، جن سے گزر کر ہماری اجتماعی حیات میں تکدر و تلخی پیدا ہونے کے اِمکانات ہوسکتے تھے۔

حسن معاشرت

گھروں کو مہذب اور شائستہ بنائے بغیر پورے معاشرے کو پُرکشش، خوب صورت اور گہوارۂ امن وسکون دیکھنے کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا کہ خاندان ہی معاشرے کی اکائی ہوتا ہے اور جب تک اکائیاں درست سمت کی جانب متوجہ نہ ہوں، پورا معاشرہ راہ راست پر گام زن نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے ایک خاندان کو کسی

[1] ***Euronews, 8/10/13***

چھوٹے ملک کی طرح قرار دیا ہے اور اسے عزت ووقار، پیار ومحبت اور رواداری وبردباری کے سائے میں پروان چڑھانے کی کام یاب کوشش کی ہے۔

متذکرہ بالا عنوان پر سیر حاصل گفت گو کرنے کے لیے چند ذیلی عنوانات کے تحت ہم معاشرتی مسائل پر بحث کریں گے اور اِسلامی تہذیب وتمدن کے سائے میں یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ عصر حاضر کے بطن سے پیدا ہونے والے خود ساختہ طریقے کس حد تک مسائل حل کرنے میں کام یاب ہوسکے ہیں، تاکہ دونوں نقطہ ہائے نظر کے درمیان غیر جانب داری کے ساتھ موازنہ کر کے قابل قبول نتائج تک رسائی ممکن ہوجائے۔

عائلی اِختلافات:

ایک گھر کی چھت کے نیچے رہنے والوں کے درمیان اِختلافِ رائے کوئی معیوب نہیں کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، تاہم افکار وخیالات کے یہی اختلافات دھیرے دھیرے خانوادے کا شیرازہ بکھیر دیں، تو بات تشویش ناک ضرور ہے۔ یہ بات کہنے کی نہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات جس قدر مضبوط اور پائیدار ہوں گے، اسی قدر گھر کا اندرونی ماحول بہتر، صحت منداور ساز گار کہلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شوہر اور بیوی کے درمیان رشتۂ اُلفت ومحبت بنائے رکھنے پر خاصا زور دیا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اِسلامی تعلیمات کے سائے میں عائلی اِختلافات دور کرنے کے نسخۂ کیمیا پر گفت گو کریں، آیئے عصر حاضر میں اِزدواجی رشتہ ٹوٹنے کی رفتار اور معاشرہ پر اس کے بھیانک نتائج کی ایک جھلک دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یورپ کے مشہور ملک اٹلی میں طلاق کی شرح میں بے پناہ اِضافہ ہوا ہے۔

"Separations and divorces have steadily risen in this traditionally Roman Catholic country since divorce was legalized in 1970. In 1995, 158 of every 1,000 marriages ended in separation, and 80 out of 1,000 in divorce. In 2009, the last year

for which statistics available, the numbers had reached 297 separations and 181 divorces per thousand, according to Istat, the national statistics agency." [1]

''۱۹۷۰ء میں طلاق کی قانونی حیثیت تسلیم کر لیے جانے کے بعد اس روایتی رومن کیتھولک ملک میں جدائی اور طلاق کی تعداد بہت تیزی کے ساتھ بڑھ گئی ہے۔ ۱۹۹۵ء میں ہر ہزار شادیوں میں سے ۱۵۸ر جدائی پر اور ہر ہزار شادیوں میں سے ۸۰ طلاق پر ختم ہوتی تھیں، تاہم ۲۰۰۹ء میں ہزار شادیوں میں سے ۲۹۷ جدائی پر اور ۱۸۱ر طلاق پر ختم ہوئی ہے۔ یہ معلومات قومی اعداد وشمار ایجنسی اسٹاٹ کے جاری کردہ بیان کے مطابق ہے۔''

امریکہ میں اِزدواجی زندگی کے حالات پر مشہور محقق **George Barna** نے ***Unmarried America*** نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں عام جائزے کی بنیاد پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شرح طلاق میں بہت تیزی کے ساتھ اِضافہ ہو رہا ہے۔

"While marriage's front door has been closing slowly, its back door has been widening fast. Thirty years ago, 35 in 1,000 Americans were divorced. In 1993, the figure was 148 in 1,000—four times its previous size." Recent statistics from the Barna Research Group indicate that in 1999, 240 in 1,000 have been divorced." [2]

''جب کہ شادی کا صدر دروازہ دھیرے دھیرے بند ہو رہا ہے، ایسے میں اس

[1] *NEW YORK TIMES : MAY 26, 2012*

[2] *George Barna, Unmarried America,22*
Barna Research Group, Ltd., Glendale, Calif., 1993

کا پچھلا دروازہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ تیس سال پہلے ایک ہزار امریکنوں میں صرف ۳۵ طلاقیں ہوتی تھیں۔ ۱۹۹۳ء میں یہ تعداد بڑھ کر ہر ہزار میں ۱۴۸ر تک جا پہنچی، جو کہ پچھلی صورت سے چار گنا زیادہ ہے۔ بارناری سرچ گروپ کے حالیہ جائزے کے مطابق ۱۹۹۹ء میں ہر ہزار شادیوں میں سے ۲۴۰ طلاقیں ہوئی ہیں۔''

ایسا نہیں ہے کہ نا تجربہ کاری کی بنیاد پر طلاق میں اضافہ ہو رہا ہے، بل کہ حیرت انگیز اِنکشاف تو یہ ہے کہ لوگ جس قدر اِزدواجی زندگی کا تجربہ حاصل کر رہے ہیں، اسی قدر شرحِ طلاق میں اور زیادہ اِضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

"41 percent of first marriages end in divorce.
60 percent of second marriages end in divorce.
73 percent of third marriages end in divorce." [1]

''۴۱٪ پہلی شادی طلاق پر ختم ہوئی، ۶۰٪ دوسری شادی طلاق پر اِختتام پذیر ہوئی اور ۷۳٪ تیسری شادی کا انجام طلاق پر ہوا۔''

برطانیہ کی قومی تنظیم ***Office of National Statistics (ONS)*** کے حالیہ جائزے کے مطابق تقریباً آدھی شادیوں کا اِختتام طلاق پر ہوتا ہے۔

"Latest statistics (published December 2012) estimate that 42% of marriages in England and Wales end in divorce." [2]

''جدید اعداد وشمار (جو کہ دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا) کے ایک تخمینہ کے مطابق برطانیہ اور ویلز کی ۴۲٪ شادیاں طلاق پر اِختتام پذیر ہوئی ہیں۔''

اٹلی، امریکہ اور برطانیہ میں شرح طلاق کے حوالے سے سرسری رپورٹ پڑھنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عصر حاضر میں اِزدواجی رشتے بہت تیزی کے ساتھ

[1] *Marriage and Divorce Today, 1, 1988*

[2] *Office of National Statistics, Released on Feb, 2013*

ٹوٹ رہے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم کر لیجیے کہ زن و شوہر کے درمیان علیحدگی کے نہایت ہی گہرے منفی اثرات انسانی معاشرہ پر پڑتے ہیں۔

دامنِ اِسلام میں طلاق:

اب آیئے اِسلامی شریعت کی روشنی میں طلاق کے حوالے سے گفت گو کرتے ہیں۔ یہ بات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ مذہب اِسلام نے اپنے آغاز سے ہی نہ طلاق کا دروازہ پورے طور پر کھلا رکھا ہے اور نہ ہی اسے مکمل طور پر بند رکھا ہے، جب کہ بہتیرے معاشرے میں طلاق کی قانونی حیثیت بہت بعد میں تسلیم کی گئی ہے۔ بہ ہر کیف، اِسلام نے اِزدواجی زندگی کی تلخیاں دور کرنے کے لیے بہ راہِ راست طلاق وجدائی تک پہنچنے سے پہلے مختلف مراحل سے گزرنے کی ہدایت دی ہے۔ آپ غیر جانب داری کے ساتھ ان مراحل پر غور کریں تو پکار اُٹھیں گے کہ اسلامی شریعت نے ایک خاندان کی شیرازہ بندی کے لیے اِنتہائی کوششیں کر لینے کے بعد ہی آخری حل کے طور پر طلاق کی تجویز دی ہے۔

پہلا مرحلہ:

کوئی انسان ہر زاویے سے نہ اپنی ذات میں مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ دوسرے کے معیار پر ہر زوایے سے پورا اتر سکتا ہے، اس لیے فطرت انسانی کی یہ ناقابل اِنکار حقیقت ہمہ وقت شوہر کے حافظے میں تروتازہ رہنی چاہیے۔ یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ جب اِنسان فطری اِعتبار سے ہی نامکمل ثابت ہوا ہے، تو ایک چھت کے نیچے کام یاب زندگی گزارنے کے لیے زوجین کے درمیان اتنی رواداری ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کوتاہیوں کو درگزر کرسکیں اور اچھائیوں سے مستفید ہوسکیں۔

قرآنِ مقدس اسی فطری کم زوری کی جانب نشان دہی کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا‘‘ [1]

’’حسن معاشرت کے ساتھ انھیں اپنے پاس رکھو، اگر وہ تمھیں پسند نہ آئیں تو

[1] قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۱۹

بہت ممکن ہے کہ کوئی چیز تمھیں ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں تمھارے لیے بہتری رکھی ہو۔‘‘ (فیضان القرآن)

مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث کریم پڑھیے اور محسوس کیجیے کہ عائلی اِختلافات کو لگام دینے کے لیے کس قدر مؤثر علاج کی جانب نشان دہی کی گئی ہے:

’’لا يفرك مؤمن مومنة، ان كره منها خلقا، رضى منها آخر‘‘ [1]

’’کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں کسی خصلت کو ناپسند کرے، تاہم اس میں وہ کوئی ایسی خصلت پا جائے، جسے وہ پسند کرے۔‘‘

دوسرا مرحلہ:

جب یہ اِحساس میاں اور بیوی کی رگوں میں رچ بس جائے کہ دنیا میں کوئی بھی اِنسان ہر اِعتبار سے مکمل نہیں ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں ایک دوسرے کی کم زوریوں پر پردہ ڈالیں گے اور اچھائیوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوششیں کریں گے۔ اس طرح عائلی ناچاقیاں بہت آگے نہیں بڑھ سکیں گی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے پردہ پوشی کی عام تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

’’من ستر عورة مسلم فى الدنيا، ستر الله عورته فى الآخرة‘‘ [2]

’’جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ رکھا، قیامت کے دن اللہ رب العزت اس کے عیوب پر پردہ ڈالے رکھے گا۔‘‘

تیسرا مرحلہ:

اِزدواجی زندگی ناقابل برداشت تلخیوں سے دوچار ہوجائے اور آپسی اِفہام وتفہیم سے بھی حالات بہتر ہوتے نہ دکھائی دیتے ہوں، تو چاہیے کہ میاں اور بیوی دونوں اپنے اپنے لیے ایک ثالث مقرر کریں، تاکہ دونوں باہمی مشورہ سے معاملات سدھارنے میں مثبت کردار ادا کرسکیں۔

[1] مسلم، ج:۱۰، ص:۵۰

[2] مسند احمد، ج:۲، ص:۵۳۵

اِس پس منظر میں قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ پڑھیے:

"وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا" ❶

"اگر تمھیں دونوں کے درمیان ناچاقی کا اندیشہ ہو، تو میاں بیوی دونوں کی طرف سے ایک ایک منصف مقرر کرلو، اگر یہ دونوں دل سے صلح صفائی کی کوشش کریں تو یقینی طور پر اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا ہونے کے اسباب مہیا فرمادے گا کہ بلاشبہہ اللہ سب کچھ جاننے والا بھی ہے اور ہر بات کی خبر رکھنے والا بھی۔" (فیضان القرآن)

چوتھا مرحلہ:

ثالثوں کی مداخلت اور افہام وتفہیم کے بعد بھی جب حالات بہتر نہ ہوسکیں، تو پھر زوجین جدائی کے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔ اِسلامی شریعت کے مطابق طلاق دینے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورت جب اپنے مخصوص ایام سے فارغ ہوجائے تو بغیر ہم بستری کیے، اسے ایک طلاق دی جائے۔

"يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" ❷

"اے نبی مکرم! جب تم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا اِرادہ کرو تو انھیں عدت کے ایام میں طلاق دو!" (فیضان القرآن)

متذکرہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "عدت" کی تشریح کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس سے مراد "ایام طہر" ہیں، جنھیں عرفِ عام میں پاکی کے ایام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اِس حوالے سے مزید وضاحت کے لیے صاحب زادہ عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا واقعہ نگاہوں میں رکھیے، جب اُنھوں نے اپنی اہلیہ کو ایام ماہ واری میں طلاق دے دی، تو سرکارِ دوعالم

❶ قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۳۵

❷ قرآن کریم، سورت:۶۵، آیت:۱

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما هكذا امرك الله يا بن عمر" ❶

"اے ابن عمر! اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم نہیں دیا ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جن لفظوں کے ساتھ نصیحت کی ہے، وہ بتا رہے ہیں کہ ایام ماہ واری میں طلاق دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"مره فليراجعها، ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض فتطهر، ثم ان شاء طلقها طاهرا قبل ان يمس......" ❷

"ان سے کہیے کہ وہ طلاق سے رجوع کرلیں، پھر بیوی کو اپنے نکاح میں رکھیں یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر وہ ایامِ حیض سے گزرے اور پاک ہوجائے، پھر اگر وہ چاہیں تو صحبت سے پہلے اسے طلاق دے دیں......"

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ پہلے صرف ایک طلاق دینے کی ہدایت دی جارہی ہے۔ فقہ اِسلامی کے مطابق ایک طلاق رجعی دینے کے بعد بیوی کی عدت کے دوران شوہر کو اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب ایک طلاق دیتے ہی شوہر بہت دنوں تک اپنی بیوی کی قربت سے دور ہوجائے، تو اسے مکمل جدائی کے بعد حالات کی سنگینی کا احساس پوری طرح ہوجاتا ہے، جو دوبارہ تعلقات کی بحالی میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی شک ہے کہ اسلامی طریقۂ طلاق بہتیرے حالات میں بہ جائے جدائی کے، ازسرنو ازدواجی زندگی کی اِبتدا کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

بچوں کی پرورش:

یہ دُنیا دارِ فانی ہے اور ہر آنے والے کو ایک نہ ایک دن ہمیشہ کے لیے یہاں سے رُخصت ہوجانا ہے۔ اِس ناقابلِ اِنکار حقیقت کے پیشِ نظر کاروبارِ حیات کے باقی رہنے

❶ سنن بیہقی، ج:۱۱، ص:۲۱۰

❷ ابوداود، ج:۶، ص:۲۳۰

کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جگہ دوسرے آتے رہیں اور کاروانِ زندگی آگے بڑھتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نے نہ صرف افزائشِ نسل کی حوصلہ افزائی کی ہے، بل کہ بچوں کی بہتر تربیت اور ذمہ دارانہ نگہ داشت کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔

بچوں کی بہتر صحت و تن درستی کے لیے ماں کا دودھ نہایت ہی ضروری ہے۔ یہ حقیقت بہت پہلے سے ہی تسلیم شدہ رہی ہے، تاہم جدید ترین تحقیقات کے بعد اب یہ امر تجربہ شدہ صداقت کی حیثیت اِختیار کر گیا ہے۔

اِس پس منظر میں یہ بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

"Optimal breastfeeding of infants under two years of age has the greatest potential impact on child survival of all preventive interventions, with the potential to prevent over 800,000 deaths (13 per cent of all deaths) in children under five in the developing world." ❶

"دوسالوں تک ماں کا دودھ بچوں کی زندگی کے حوالے سے اِختیار کی جانے والی جملہ حفاظتی تدابیر کے مقابلے میں کہیں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اس طرح ترقی یافتہ ممالک میں پانچ سال عمر کے تقریباً آٹھ لاکھ بچے (جو تمام اموات کا ۱۳٪ رہے) بچائے جاسکتے ہیں۔"

متذکرہ بالا تحقیقاتی رپورٹ میں بچوں کے لیے دوسالوں تک ماں کے دودھ کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ یہاں پہنچ کر قرآنِ کریم پر ایمان رکھنے والے دیوانے پکار اُٹھتے ہیں کہ جو حقیقت برسوں کی سائنسی تحقیقات، تجربات اور نظریات کے بعد منکشف ہو رہی ہے، اس کی طرف صدیوں پہلے ہی قرآنِ مقدس نے صاف اسلوبِ بیان میں اِشارہ کر دیا ہے:

"وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ

❶ *Unicef Report on Breastfeeding, Lancet,2013*

بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ......" ❶

"وہ مائیں جو دودھ پلانے کی میعاد مکمل کرنا چاہیں، وہ اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، بچے کے والد پر لازم ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق ماؤں کے لباس اور خور و نوش کا مناسب اِنتظام کرے کہ کسی شخص پر اس کی اِستطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی، ماں بچے کی وجہ سے خلافِ مرضی زحمت میں نہ ڈالی جائے اور نہ ہی باپ اپنے بچے کی وجہ سے......"

(فیضان القرآن)

اِسی تناظر میں یہ رپورٹ بھی پڑھیے:

"Young children who were breastfed as infants scored higher on intelligence tests than formula-fed kids, and the longer and more exclusively they were breastfed, the greater the difference, say Harvard University researchers in a study published today in JAMA Pediatrics." ❷

"جو بچے شیر خوارگی کے زمانے میں ماں کا دودھ پیتے رہے ہیں، وہ ذہانت کے مقابلے میں ان بچوں سے زیادہ نمبر کے مستحق ہوئے، جنھوں نے ڈبے کا دودھ پیا۔ اسی کے ساتھ قابلِ ذکر یہ بھی ہے کہ جنھوں نے جتنے زیادہ دنوں تک اور جس قدر زیادہ اِنحصار ماں کے دودھ پر کیا، اسی قدر وہ زیادہ بہتر کارکردگی دکھا سکے۔ یہ اِنکشاف ہارورڈ یونی ورسٹی کے محققین نے کیا ہے، جو آج ***JAMA Pediatrcs*** میں شائع ہوا ہے۔"

❶ قرآن کریم، سورت:۱، آیت:۲۳۳

❷ *NBC News, July 29th 2013*

تربیت اولاد پر بے اِنتہا اجر وثواب کی بشارت دے کر دین اِسلام نے اپنے پیروکاروں کی کام یاب حوصلہ افزائی کی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مذہب پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی بات پر آخرت میں انعام واکرام سے نوازے جانے کے مژدۂ جاں فزا سے بڑھ کر کوئی اور چیز برانگیختگی کا باعث نہیں ہوسکتی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو صدقہ قرار دیا ہے۔ جس سے یہ خموش اِشارہ ہوتا ہے کہ بچوں پر خرچ کرنے والا قیامت کے دن اجر وثواب کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔

''ان المسلم اذا انفق علٰی اهله نفقة، و هو يحتسبها، كانت له صدقة'' ❶

''بے شک جو مسلمان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، دراں حالے کہ وہ اجر وثواب کی امید بھی رکھے، تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار کیا جائے گا۔''

لگے ہاتھوں وہ ایمان افروز واقعہ بھی سنتے چلیے، جس کی گواہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی خاتون اپنی دو بچیوں کے ساتھ گھر پر آئیں اور مجھ سے کھانے کے لیے مانگا۔ میرے پاس اس وقت ایک کھجور کے سوا کچھ بھی نہ تھا، لہٰذا مَیں نے وہ کھجور اُسے دے دی۔ خاتون نے میرے سامنے کھجور کے دو حصے کیے اور اپنی دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیے اور خود کچھ بھی نہ کھایا۔ جب سرکار دوعالم ﷺ گھر تشریف لائے، تو مَیں نے اُنھیں سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے بچیوں کے ساتھ حسن سلوک پر بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''من ابتلى بشىء من هذه البنات، كن له سترا من النار'' ❷

''جو شخص بیٹیوں کے حوالے سے آزمائش میں ڈالا جائے، تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیں گی۔''

❶ مسلم، ج:۷، ص:۷۵
❷ ترمذی، ج:۶، ص:۲۲

ایک دوسری حدیث میں بہنوں کے ساتھ حسن سلوک پر بھی جنت میں داخلے کی بشارتِ عظمیٰ دی گئی ہے:

''لا يكون احد ثلاث بنات او ثلاث اخوات، او ابنتان او اختان، فيتقى الله فيهن، و يحسن اليهن الا دخل الجنة'' ❶

''تم میں سے کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں اور دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، تو وہ جنت میں جائے گا۔''

متذکرہ بالا تمہیدی بیان سے یہ بات آفتابِ نیم روز کے مثل عیاں ہوجاتی ہے کہ دِین اِسلام نے گلشن حیات کے تسلسل کے لیے نہ صرف افزائشِ نسل کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، بل کہ اپنے بچوں کی بہتر نگہ داشت اور حسن سلوک پر اجر وثواب کی بشارت دے کر تربیت اولاد کو اعمالِ صالحہ کے ضمن میں شامل کر دیا ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دین اِسلام نے ''تربیت اولاد'' کی حیثیت ہی بدل دی ہے۔

اِس طرح دنیا کے کسی بھی دوسرے طبقات کے نزدیک اولاد کی تعلیم وتربیت اگر صرف 'اخلاقیات' کے زمرے کی چیز ہے، تو اِسلام کے ماننے والوں کے نزدیک یہ 'اخلاقیات' سے بھی تعلق رکھتی ہے اور 'دینی تعلیمات' سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں مسلمانوں کے یہاں اولاد کی پیدائش کے بعد انھیں تربیت کے لیے دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی مثالیں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بعض اِستثنائی حالات کے علاوہ، بچوں کے لیے، نہ والدین سے بہتر کوئی دوسرا مربی ہوسکتا ہے اور نہ ہی محبت کرنے والا۔ ظاہر ہے کہ جب بچے بہتر نگہ داشت کے سایے میں پروان چڑھ رہے ہوں، تو ان کے دلوں میں جرائم، قانون شکنی اور بے راہ روی کے منفی جذبات خال خال ہی پیدا ہوں گے۔ خیال رہے کہ یہ بات میں کسی خیالی مفروضہ کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں، بل کہ عصر حاضر میں دونوں طبقات؛ وہ معاشرہ جہاں بچے اپنے والدین کے سایے میں پلتے

❶ مسند احمد، ج:۳، ص:۴۳۵

ہیں اور دوسرا وہ معاشرہ جہاں بچوں کی کفالت سرکاری صرفہ پر پرائیوٹ ایجنسیاں کرتی ہیں، کے دامن میں پروان چڑھنے والے بچوں کے درمیان غیر جانب دارانہ تجزیہ کر کے آپ خود دیکھ لیجیے، حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

مغربی معاشرہ میں شادی کے بغیر مرد وعورت کی ملاقاتیں معیوب نہیں ہیں، حتی کہ ناجائز تعلقات کے ثمرات بچے کی ولادت تک بھی پہنچ جائیں، تو باعثِ تشویش نہیں سمجھے جاتے۔ مثال کے طور پر **Forest Institute** میں **innovation and community health** کے شعبہ کی نائب صدر **Jennifer Baker** نے اسپرنگ فیلڈ نامی شہر میں سروے کے بعد ایک رپورٹ پیش کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ دورانِ تحقیق میں نے ایک ایسی خاتون سے ملاقات کی، جس کے یہاں آٹھویں ولادت ہونے والی تھی۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ تم شادی کب کر رہی ہو؟

"She laughed and said, 'Well, that's a very serious commitment. I don't know that I'm ready for that." [1]

''وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ بات تو اچھی ہے، تاہم یہ ایک بہت ہی سنجیدہ معاہدہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس کے لیے ابھی تیار ہوں۔''

یہ تو رہا تصویر کا ایک رخ، اور دوسرا رخ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ جوڑوں کے ناجائز تعلقات اور کثرتِ طلاق کی وجہ سے بچوں کو اپنے ماں اور باپ دونوں کی سرپرستی حاصل نہیں رہتی، بل کہ یا تو انہیں ماں اور باپ میں سے کسی ایک کی سرپرستی حاصل رہتی ہے، یا بہ صورتِ دیگر ایسے بچے حکومتی کفالت میں دے دیے جاتے ہیں۔ رپورٹ کا یہ حصہ پڑھیے:

"Data from the U.S. Census Bureau for the city of Springfield shows married couples with children under 18 have steadily decreased in number since 2000, while families headed by a single parent have increased.

[1] ***Springfield News-Leader, Nov 24, 2012, Page:12***

In 2000, 4,336 families with children at home were headed by single women in Springfield. That number grew to 4,662 in 2010. The greater percentage gains were by unmarried men with children in the home - up to 1,674 in 2010 from 1,328 in 2000 - an increase of 26 percent. Married parents with children, however, have been on the decline. In 2000, there were 9,860 households made up of a married couple and children under 18. In 2010, that number dropped to 8,142 - a drop of 17 percent." [1]

''اسپرنگ فیلڈ کے حوالے سے امریکی اعداد وشمار بیورو کی رپورٹ کے مطابق شادی شدہ جوڑوں کے یہاں ۱۸ر سال سے کم عمر کے بچوں کی تعداد ۲۰۰۰ء کے بعد تیزی سے گھٹ رہی ہے، جب کہ دوسری جانب والدین میں سے کسی ایک کی سرپرستی میں رہنے والے خاندانوں میں اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۰۰ء کے دوران اسپرنگ فیلڈ میں بچوں کے ساتھ رہنے والے ۴۳۳۶ خاندان صرف ماں کی سرپرستی میں رہتے تھے، جب کہ یہ تعداد ۲۰۱۰ء میں بڑھ کر ۴۶۶۲ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں زیادہ حصہ غیر شادی شدہ جوڑوں کے بچوں کا ہے، یعنی ۲۰۰۰ء میں ۱۳۲۸ر سے بڑھ کر ۲۰۱۰ء میں ۱۳۲۸ر جو کہ ۲۶ فی صدی زائد ہے۔ دوسری جانب شادی شدہ جوڑوں کے یہاں بچوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے۔ ۲۰۰۰ء میں ۹۸۶۰ خاندان شادی شدہ افراد پر مشتمل تھے، جن کی سرپرستی میں ۱۸ر سال سے کم عمر کے بچے رہتے تھے، جب کہ ۲۰۱۰ء میں یہ تعداد گھٹ کر ۸۱۴۲ تک ہو گئی ہے۔''

[1] ***Same Reference, Page:11-12***

یہ تو امریکہ کے صرف ایک شہر اسپرنگ فیلڈ کے اعداد و شمار کی ایک جھلک تھی، ورنہ اِمعانِ نظر سے غور کیا جائے تو چند اِستثنائی حالات کے علاوہ، عائلی ناچاقی، باہمی دوری اور خاندانی اِنتشار کی اس سے زیادہ خراب صورت ان سارے ممالک میں دیکھی جاسکتی ہے، جہاں مرد و زن کے درمیان ناجائز تعلقات کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی نہیں کہ بچے کی بہتر نگہ داشت اور کام یاب تربیت کے لیے ماں اور باپ دونوں کی سرپرستی نہایت ہی ضروری ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو ایسے ممالک میں پروان چڑھنے والوں بچوں کے بڑھتے ہوئے جرائم اور قتل و خون کے افسوس ناک واقعات کا سرسری جائزہ لے لیجیے، جہاں بچے والدین کی سرپرستی سے محروم رہتے ہیں۔ اس پس منظر میں بہ طور مثال چند اعداد و شمار ملاحظہ فرمایئے۔

امریکہ میں نوعمر بچوں کے ذریعہ بڑھتے ہوئے جرائم پر مبنی یہ رپورٹ پڑھیے:

"About 1 in 9 murders were committed by youth under 18 in 1999. On average, about 5 youths are arrested for murder in this country each day (a total of 1,176 in 1999). Youth under 18 accounted for about 1 in 6 violent crime arrests in 1999. One national survey found that for every teen arrested, at least 10 were engaged in violence that could have seriously injured or killed another person· A review of surveys found that between 30-40% of male teens and 16-32% of female teens say they have committed a serious violent offense by the age of 17." ١

”۱۹۹۹ء میں ہر نو قتل کی واردات میں سے ایک ۱۸ رسال سے کم عمر نے کیا

١ ***Facts for Teens, NYVPRC Report, Page: 1***

ہے۔ اس ملک میں ہر دن اوسطاً پانچ بچے قتل کے واقعہ میں گرفتار کیے جاتے ہیں (۱۱۷۶ر بچے ۱۹۹۹ء میں)۔ ہر چھ پُر تشدد جرائم میں سے ایک کے پیچھے ۱۸ رسال سے کم عمر بچہ شامل رہا ہے۔ قومی سروے کے مطابق ہر بچہ جو گرفتار کیا جاتا ہے، ان میں سے کم از کم دس بچے ایسے جرائم کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں، جن کے نتیجے میں شدید زخم یا دوسرے کا قتل تک شامل ہے۔ سروے بتاتا ہے کہ ۳۰٪ سے ۴۰٪ نوعمر بچے اور ۱۶٪ر سے ۳۲٪ نوعمر بچیوں نے یہ اِعتراف کیا ہے کہ وہ ۱۷ رسال عمر سے قبل ہی پر تشدد جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔“

دیکھ رہے ہیں آپ! ایسی عمر میں بچے جرائم سے آشنا ہو رہے ہیں، جب کہ انھیں صنعت و حرفت اور علم و معرفت کے زیور سے آراستہ ہونے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔

یہ تو رہی کسی قدر قدیم رپورٹ، لگے ہاتھوں تازہ ترین رپورٹ کا یہ حصہ پڑھیے:

"More than one-fifth (22%) of all persons arrested for robbery in 2011 were under age 18....." ١

”۲۰۱۱ء کے دوران ڈاکہ زنی کی واردات کے سلسلے میں گرفتار کیے جانے والوں میں سے پانچ ویں حصے سے زیادہ (۲۲٪) اٹھارہ سال سے کم عمر بچے تھے....“

موقع کی مناسبت سے یہاں **Patrick F. Fagan, Ph.D** جو تجربہ کار **Heritage Expert** سمجھے جاتے ہیں' کی تحقیق رپورٹ کا اِجمالی نتیجہ حاضر خدمت ہے:

"The rate of violent teenage crime corresponds with the number of families abandoned by fathers.

The mother's strong affectionate attachment to her child is the child's best buffer against a life of crime.

١ ***Office of the Justice Programs, US Department of Justice Statistical Briefing Book***

The father's authority and involvement in raising his children are also a great buffer against a life of crime." [1]

"-۱۸/سال تک کے بچوں میں جرائم کی شرح اس بات سے متعلق ہوتی ہے کہ کتنے باپوں نے اپنے خاندانوں سے کنارہ کشی اِختیار کرلی ہے۔

-بچوں کے ساتھ ماں کا گہرا تعلق بھی بچے کو جرائم کی دنیا سے دور رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

-بچوں پر باپ کی نگرانی اور مداخلت سے بھی بچے جرائم سے دور رہتے ہیں۔"

دنیا کے کسی بھی ملک میں بچوں کے واقعی حالات کے ہر ایک زاویہ کا جائزہ لینا میرا موضوع نہیں ہے، بل کہ مدعائے سخن تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ بچوں کی بہتر نگہداشت اور حسن تربیت کے لیے والدین کی توجہ نہایت ہی ضروری ہے۔ اور آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمالیا کہ جس تہذیب وتمدن میں تربیت اولاد کا تعلق محض اخلاقی فرائض شمار کیا جاتا ہے، وہاں بچے تیزی کے ساتھ جرائم سے قریب ہوتے جارہے ہیں، جب کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے سائے میں تربیت اولاد صرف اخلاقی فرائض میں شامل نہیں ہے، بل کہ اعمالِ صالحہ کے راستے سے گزر کر رضائے اِلٰہی کا سبب بھی ہے، اِسی لیے اِسلامی معاشرہ میں پرورش پانے والے بچے بہت حد تک جرائم سے دور رہتے ہیں۔

OOO

[1] *The Real Root Causes of Violent Crime: The Breakdown of Marriage, Family, and Community, 17, March 1995*

چوتھی جھلک:

حسن معاملات

اِنسان فطری اِعتبار سے ایک سماجی جان دار ہے، جسے عام حالات میں تنہائی سے وحشت وغربت ہوتی ہے اور اِجتماعیت سے فرحت وسرور ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِنسان دنیا کے جس خطہ میں بھی رہے، وہ جلد ہی اپنے ہم نشینوں کی ایک بستی آباد کرلیتا ہے۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے آبادی بڑھتی چلی جاتی ہے اور پھر وہ دن بھی آتا ہے جب ویرانے میں ایک وسیع وعریض، پُرکشش وجاذبِ نظر اور بارونق شہر بس جاتا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی نہیں کہ لوگوں کے درمیان آپسی معاملات بہتر ہوں، تو پورا معاشرہ امن وچین، سکون واِطمینان اور مسرت وشادمانی کے لمحات سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ اِنسانی جبلت کے اسی تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے دینِ اِسلام نے آپسی معاملات کو بہتر سے بہتر بنانے کی تعلیم دی ہے۔ اسی حسن تربیت کے حیرت انگیز جلوے دیکھنے کے لیے ورق الٹیے۔

جذبۂ تعاون

دُنیا کے سارے اِنسان نہ تو مال دار ہیں اور نہ ہی سب کے سب غریب محتاج، بل کہ بعض بے حد وحساب دولت وثروت کے مالک ہیں، بعض کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض نہایت ہی کس مپرسی کے لمحات گزارنے والے بھی۔ ایسی صورت حال میں اصحابِ ثروت سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ غربا، مساکین اور ضرورت مند افراد کی امداد کریں۔ مجھے یہ اِعتراف کرنے میں کوئی پشیمانی نہیں ہے کہ قطع نظر مذہب وثقافت، رنگ و

نسل اور زبان کے، دنیا کے سارے لوگ غریبوں اور محتاجوں کی نصرت وحمایت کو عزیز سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس پس منظر میں سرسری نگاہ ڈالنے والوں کو محتاج وضرورت مند کی مدد کے حوالے سے اِسلامی تعلیمات میں کوئی اِمتیازی شان دکھائی نہیں دیتی، تاہم اِمعانِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ مذہب اِسلام صدقات وخیرات کے فضائل بیان کرتے ہوئے ایک ایسے موڑ تک پہنچ جاتا ہے، جہاں سے عام طور پر واپسی کے سوا کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی ہے، لیکن قربان جائیے کہ اس نازک مقام پر بھی اِسلامی شریعت اپنے ماننے والوں کو ہاتھ نہ روکنے کی ہدایت دیتی ہے اور تعاون ودست گیری کی یہی وہ منزل ہے، جہاں سے آفتابِ اسلام اپنی یکتائے روزگار شان وشوکت کے ساتھ اُفقِ عالم پر جلوہ گر نظر آتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے مرکزی نکتہ کی جانب بڑھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن واحادیث کے سائے میں غربا، فقرا اور مساکین کی جانب دستِ تعاون دراز کرنے کے فضائل کے حوالے سے تھوڑی گفت گو کرلی جائے، تاکہ زیر بحث موضوع کے ہر چہار جوانب پوری طرح اُجالے میں آجائیں۔

فلسفۂ اِنفاق اِسلام کے سائے میں

اِس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت سے اپنے مال کا ایک مخصوص حصہ مستحقین کے لیے الگ کرنا، اِسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک نصاب ہونے کے بعد راہِ الٰہی میں خرچ کرنا اسلام کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ بغیر اس کے دین اِسلام کی صورت مکمل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام فرضیت زکوٰۃ کے منکر پر دائرۂ اِسلام سے خارج ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

اللہ ربّ العزت اپنے حبیب لبیب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے:

”خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ“ ①

”اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجیے تاکہ اس کے ذریعہ انھیں پاک وصاف کریں، اور ان کے حق میں دعاے خیر کیجیے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ورحمت ہے، اللہ سب کچھ سننے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی۔“ (فیضان القرآن)

راہِ الٰہی میں اِنفاقِ دولت کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی باور کرایا جارہا ہے کہ جو کچھ بھی تمھارے پاس ہے، وہ درحقیقت میرے ہی جودوکرم کا فیضان ہے۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ یہ اِحساس بار بار دلایا جارہا ہے، کہیں کام یاب مسلمانوں کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے اور کہیں مسلمانوں کو بہ راہِ راست حکم دیتے ہوئے۔ بہ طور مثال یہ آیت کریمہ دیکھیے:

”يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ وَ الْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ“ ②

”اے اِیمان کی دولت بے بہا سے شرف یاب ہونے والو! جو کچھ ہم نے تمھیں عطا کیا ہے، اس میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کیا کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جب نہ ہی خرید وفروخت کے ذریعہ نجات مل سکے گی، نہ ہی کافروں کی ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کام آسکے گی اور نہ شفاعت ہی کارگر ہوگی، اور منکرین حق خود ہی اپنی جانوں پر ظلم وستم کررہے ہیں۔“ (فیضان القرآن)

کون نہیں جانتا کہ دولت وثروت سب کے نزدیک عزیز ہوتی ہے اور اسے خود اپنے ہاتھوں سے دوسروں کے دست تصرف میں دے دینا کوئی امرِ سہل نہیں۔ محسوس کیجیے کہ کس قدر خوب صورتی کے ساتھ دین اِسلام نے دولت وثروت کے حوالے سے اِنسانی جبلت کی

① قرآن کریم، سورت:۹، آیت:۱۰۳

② قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۵۴

دُکھتی رگ پر اُنگلی رکھ دی ہے اور وضاحت کے ساتھ جتادیا ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ حقیقت میں تمہاری ملکیت نہیں ہے، بل کہ اس کا مالک خداے واحد و یکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو دولت و ثروت کا مالک ہے، اُسی کے اِشارے پر اُسے خرچ کرنے میں پس و پیش کیوں کر ہو سکتا ہے؟

اچھا پھر صرف اِنفاقِ دولت کا حکم صادر کر دیا جاتا جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا کہ ہم اور ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے، سب کا سب اسی خداے بزرگ و برتر کی ملکیت ہے، تاہم جلوہاے فیضان و کرم دیکھیے کہ اسی کی چیز اسی کی راہ میں خرچ کی جاری ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ خرچ کرنے والوں کو عظیم اُخروی اِنعام و اِکرام کی نوید مسرت بھی سنائی جا رہی ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَ اَقَامُوْا الصَّلاَۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکَاۃَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (1)

''بلاشبہہ وہ لوگ جو ایمان کی دولت سے شرف یاب ہوئے، نیک اعمال سے اپنے آپ کو مزین کرتے رہے، نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کے لیے ان کے پروردگار کے حضور بہترین اجر و ثواب محفوظ ہے، انھیں نہ کسی قسم کے اندیشے میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی غم گینی کی حاجت۔'' (فیضان القرآن)

کوئی شک نہیں کہ محتاجوں کی نصرت و حمایت اِحسانِ عظیم ہے، تاہم لینے والے پر اِحسان جتانا اور اسے ذلیل و رسوا کرنا، نہایت ہی مذموم قرار دیا گیا ہے، بل کہ یہ تک کہہ دیا گیا ہے کہ کچھ دے کر تکلیف دہ باتیں کہنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ نہ دے کر صرف بھلی بات ہی کہہ دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِسلام نہ صرف محتاجوں کی جانب دست تعاون دراز کرنے پر زور دیتا ہے، بل کہ وہ امداد وصول کرنے والوں کے معاشی حالات کا مذاق اڑانے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہ آیت کریمہ دیکھیے:

(1) قرآن کریم، سورت: ۲، آیت: ۲۷۷

''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَ مَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِنْ صَدَقَۃٍ یَتْبَعُهَا اَذًی وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُم بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی....'' (1)

''سیدھے منہ سے کوئی بھلی بات کہہ دینا اور عفو و درگزر کرنا، اس خیرات سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جس کے بعد تکلیف و اذیت پہنچائی جائے، اللہ بے نیاز بھی ہے اور حلم و مروّت سے متصف بھی۔ اے اِیمان کی دولت سے شرف یاب ہونے والو! تم اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت دے کر برباد نہ کرو......'' (فیضان القرآن)

ضرورت مندوں کی نصرت و حمایت کے شرف و فضل کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ خداے بے نیاز اسے قیامت کے دن اپنی جانب منسوب کرتے ہوئے لوگوں سے سوالات کرے گا۔

''عن ابی هریرۃ رضی اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: ان اللّٰه عزوجل یقول یوم القیامة: یا ابن ادم! مرضت فلم تعدنی؟ قال: یا رب کیف اعودك و انت رب العالمین، قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده، اما علمت انك لو عدته لوجدتنی عنده؟ یا ابن ادم! استطعمتك فلم تطعمنی، قال: یا رب کیف اطعمك و انت رب العالمین؟ قال: اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه؟ اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندی؟ یا ابن ادم! استسقیتك فلم یسقنی، قال: یا رب کیف اسقیك و انت رب العالمین، قال: استسقاك عبدی فلان فلم تسقه، اما علمت انك لو سقیته وجدت

(1) قرآن کریم، سورت: ۲، آیت: ۲۶۳، ۲۶۴

ذلك عندي" ①

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزت قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے ابن آدم! مَیں بیمار ہوا، لیکن تم نے میری عیادت نہیں کی؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں کیسے تیری عیادت کرتا جب کہ تو سارے جہانوں کا پالن ہار ہے، اللہ فرمائے گا کہ تمھیں خبر تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، تاہم تم نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تم عیادت کرتے، تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ اے ابن آدم! مَیں نے تم سے کھانا مانگا، لیکن تم نے مجھے نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مَیں کیسے تجھے کھلاتا، جب کہ تو سارے جہانوں کا پالن ہار ہے، اللہ فرمائے گا کہ تم سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا، تاہم تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا، اگر تم اسے کھلاتے، تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا، لیکن تم نے میری پیاس نہیں بجھائی؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مَیں کیسے تجھے پلاتا، جب کہ تو سارے جہانوں کا پالن ہار ہے، اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا، تاہم تم نے اسے نہیں پلایا، اگر تم اسے پلاتے، تو مجھے اس کے پاس پاتے۔"

خدمت اِنسانیت کا مقام ومرتبہ دیکھنے کے بعد دلوں میں حاجت برآری کے جذبات پیدا ہوجانا بالکل فطری ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ دین اِسلام اپنے ماننے والوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ مال و دولت سے ایک مقررہ فی صد زکوٰۃ کی صورت میں دینے کے علاوہ بھی ضرورت مندوں کو دینے کے لیے تیار رہیں۔

"قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و سلم: مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا ظَهْرَ لَهٗ، وَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلٌ مِّنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا زَادَ لَهٗ...." ②

① مسلم، ج:۱۶،ص:۱۰۷

② مسلم، ج:۵،ص:۲۴۴

"سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس فاضل سواری ہو، تو چاہیے کہ وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے، اور جس کے پاس فاضل زادِراہ ہو، تو چاہیے کہ وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِراہ نہیں ہے۔"

اور خدمت اِنسانیت پر جنت کی بشارت نے حوصلہ افزائی میں مزید اِضافہ کردیا۔

"مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِىْ حَاجَةً يُّرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِىْ وَ مَنْ سَرَّنِىْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَ مَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ" ①

"سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے بھائی کو خوش کرنے کے لیے اس کی کوئی ضرورت پوری کی، تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔"

دست گیری کی عجیب وغریب تعلیم:

اِسلام نے معاشرہ کے کم زور طبقات کی نصرت وحمایت کے حوالے سے جو ہدایت دی ہے، وہ حیرت انگیز بھی ہے اور بے نظیر بھی۔ دوسرے الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ عام حالات میں کسی ضرورت مند کی دست گیری بہت آسان نہ سہی، لیکن مشکل بھی نہیں ہے، تاہم اگر حاجت مند اپنے ہی محسن ومعاون کے لیے باعثِ آزار وتکلیف بن جائے، پھر بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے دستِ تعاون دراز کرتے رہنا نہایت ہی سخت ترین مرحلہ ہے۔ یہاں پہنچ کر کہنے دیا جائے کہ مذہب اِسلام نے ایسے مشکل ترین حالات میں بھی حاجت مندوں کی دست گیری جاری رکھنے کی ہدایت دے کر یکتائے روزگار مثال قائم کی ہے۔

متذکرہ اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے جناب مسطح بن اثاثہ بڑے پیش پیش

① شعب الایمان، ج:۶،ص:۱۱۵

تھے۔یہی وہ شخص ہیں، جن کی ناگفتہ بہ مالی حالت کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مالی اِعانت کرتے رہتے تھے، تاہم جب اللہ رب العزت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت دینے کے لیے آیت براءت نازل فرمادی، تو آپ نے قسم کھالی کہ اب وہ مسطح بن اثاثہ کی مالی اعانت نہیں کریں گے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اسی حوالے سے نازل ہوئی ہے:

”وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَ الْمَسَاكِيْنَ وَ الْمُهَاجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ ❶

”تم میں سے دینی اِعتبار سے شرف و بزرگی رکھنے والے اور اربابِ وسعت و مقدرت یہ قسم نہ کھالیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں گے، انھیں چاہیے کہ وہ ان کے قصور معاف کردیں اور انھیں درگزر کریں، کیا تمھیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھاری بخشش و مغفرت فرمائے، کہ اللہ تو بہت ہی معاف کرنے والا بھی ہے اور رحم و کرم کرنے والا بھی۔“ (فیضان القرآن)

کہتے ہیں کہ اِس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے کہ اے پروردگارِ حقیقی! مجھے تیری قسم ہے، ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے۔اور پہلے سے بھی زیادہ وسعت قلبی اور کشادہ دستی کے ساتھ اس کی امداد کرنے لگے۔ ❷

خدارا میرے کہنے پر نہیں، بل کہ اپنے ضمیر کی آواز پر اسے غیر جانب داری کے ساتھ ایک بار پھر پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ دینِ اِسلام میں خدمتِ اِنسانیت کس حد تک بڑھی

❶ قرآن کریم، سورت:۲۴، آیت:۲۲

❷ دیکھیے؛ روح المعانی، ج:۸۱، ص:۱۴۱۷

ہوئی ہے۔عام حالات میں محتاجوں کی اِمداد مشکل ہوتی ہے، تاہم یہاں وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دے رہا ہے، جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر کی عزت و ناموس پر دست درازی کی ناکام کوششیں کی ہیں۔اور پھر یہ تماشہ بھی تو دیکھیے کہ اِسلام نہ صرف اس کی مالی اِعانت کرتے رہنے کی ہدایت دے رہا ہے، بل کہ اسے معاف کرنے کی تلقین بھی کررہا ہے۔اور مخاطب بھی بارگاہِ نبوت کے فیضان و کرم سے اس درجہ سرشار ہیں کہ وہ اسے بلاتامل معاف کرتے ہیں، اور نہ صرف اپنی اِمداد جاری رکھتے ہیں، بل کہ اس میں مزید اِضافہ بھی کردیتے ہیں۔

اِیفاے عہد

اُصول و اساسات سے لے کر جزئی و فروعی معاملات تک، ہر جگہ اِیفاے عہد حسن اخلاق کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جو رنگ و نسل، مذہب و عقیدہ اور تہذیب و تمدن کے ساتھ مختص نہیں، بل کہ ساری دنیا کے لوگ اسے تسلیم کرتے ہیں، تاہم اِیفاے عہد پر اجر و ثواب اور وعدہ خلافی پر سزا و عقاب پر مشتمل گفت گو کرکے اِسلام نے متذکرہ معاملہ کی قدر و منزلت میں غیر معمولی اِضافہ کردیا ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں اِیفاے عہد پر ایک نگاہ ڈالتے چلیے۔

عہد و پیمان کے پورا کرنے کا حکم دیتے ہوئے قرآنِ کریم کہتا ہے:

”يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.....“ ❶

”اے ایمان کی دولت عظمیٰ سے مشرف ہونے والو! تم اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو......“ (فیضان القرآن)

دینِ اِسلام اِیفاے عہد کا صرف حکم دینے پر اِکتفا نہیں کرتا بل کہ ساتھ ہی ساتھ، اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان پورا کرنے والے خوش نصیب مسلمانوں کی پذیرائی بھی کرتا ہے اور اُنھیں رضاے خداوندی کے شرف سے نوازے جانے کی بشارتِ عظمیٰ بھی دیتا ہے:

❶ قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۱

"بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَ اتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ" ①

"ہاں کیوں نہیں، جس نے اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کے مطابق عمل کیا اور پرہیز گاری کی راہ پر چلا، تو بلاشبہہ اللہ پرہیز گاروں کو عزیز رکھتا ہے۔"

(فیضان القرآن)

اِیفاے عہد کے حوالے سے حکمِ اِلٰہی آپ نے ملاحظہ فرمالیا، نیز حکم الٰہی پر عمل کرنے والوں کے لیے اِنعام و اِکرام کی بشارت کا جلوہ بھی دیکھ لیا، اب ذرا عہد و پیمان توڑنے پر سخت مؤاخذہ کا اِعلان بھی سن لیجیے:

"وَ اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً" ②

"اور اپنے کیے ہوئے عہد پورا کیا کرو کہ بلاشبہہ اِیفاے عہد کے حوالے سے باز پرس ہوگی۔" (فیضان القرآن)

یہاں یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ اِسلام نے نہ صرف اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد و پیمان پورا کرنے کی ہدایت دی ہے، بل کہ ان معاہدات کے وفا کرنے کا بھی حکم دیا ہے، جو مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ساتھ کررکھے ہیں۔ ویسے تو عصرِ حاضر کی مہذب دنیا میں بھی، اِنفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر، گاہے بہ گاہے عہد شکنی کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، تاہم اگر آپ بہ ضد ہیں کہ موجودہ دور میں علاقائی اور عالمی معیار کی تنظیموں کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد بہ ظاہر اِیفاے عہد کی عام فضا بن گئی ہے اور اب ذاتی امور سے لے کر تجارت اور عالمی ممالک کے درمیان بھی آپسی معاملات بین الاقوامی قوانین کے زیر سایہ انجام دیے جاتے ہیں، تو مَیں عرض کروں گا کہ ماضی کے جھروکوں سے طلوعِ اِسلام کے وقت حالات و معاملات کا سرسری جائزہ لینے کی زحمت کیجیے اور پھر تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے نتیجہ بحث تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ تاریخی شواہد وقرائن کے کسی نہ کسی موڑ پر ضمیر چیخ اُٹھے گا کہ

① قرآن کریم، سورت:۳، آیت:۷۶
② قرآن کریم، سورت:۱۷، آیت:۳۴

جہالت اور لاقانونیت کے تاریک ترین دور میں بھی اِسلام نے نہ صرف اپنوں کے ساتھ، بل کہ غیروں کے ساتھ بھی اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان پورے کیے ہیں۔

"اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّ لَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ" ①

"سواے ان مشرکوں کے، جن سے تم نے معاہدۂ صلح و امن کیا تھا، پھر انھوں نے معاہدے کے مندرجات کی پاسداری میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی تمھارے خلاف کسی کے ساتھ تعاون کیا، تو تمھیں چاہیے کہ ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو مقرر کردہ وقت تک پورا کرو، بلاشبہہ پرہیز گاری کی راہ اِختیار کرنے والوں کو اللہ محبوب رکھتا ہے۔" (فیضان القرآن)

اِمام بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں جن سے معاہدۂ صلح پورا کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے، ان سے مراد بنو ضمرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ کی مدت پوری کی جائے کہ انھوں نے عہد شکنی نہیں کی ہے۔ کہتے ہیں کہ نزولِ آیت بالا کے وقت ان سے کیے ہوئے معاہدہ کی مدت پورا ہونے میں نو ماہ باقی تھے۔ ②

پاسداریِ عہد و پیمان کے حوالے سے شیخ احمد بلاذری لکھتے ہیں کہ رومیوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کیا کہ وہ متعینہ رقم ہر سال بھیجتے رہیں گے، نیز اپنے عہد و پیمان میں اِخلاص کا مظاہرہ کرنے کے لیے اُنھوں نے چند بڑی شخصیتوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحویل میں یہ کہتے ہوئے دے دیا کہ اگر وہ اپنی دی ہوئی زبان کے مطابق رقم دینے میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی کریں، تو انھیں تہِ تیغ کردیا جائے۔ کچھ عرصہ بعد رومیوں نے متعین کردہ رقم بھیجنے سے انکار کردیا، تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے آدمیوں کو تہِ تیغ کرنے کے بہ جاے یہ کہتے ہوئے آزاد کردیا کہ عہد شکنی کے بدلے میں عہد شکنی نہیں کی

① قرآن کریم، سورت:۹، آیت:۴
② دیکھیے؛ معالم التنزیل، ج:۲، ص:۲۲۷

جائے گی اور ہم بہ ہر کیف اپنے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کریں گے، گرچہ وہ عہد شکنی کریں۔ ❶

اسی طرح امام محمد الشیبانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر المنصور نے علماے کرام سے پوچھا کہ اگر دار الحرب میں مسلمان قیدی قتل کر دیے جائیں، تو کیا ہمیں بھی بدلہ میں غیر مسلم قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے، جب کہ معاہدہ کے مطابق طرفین میں سے جو بھی کسی ایک کے قیدی قتل کر دے، تو دوسرے کو بھی اس کے قیدی قتل کرنے کی اجازت ہے۔ بعض علماے کرام نے راے دیتے ہوئے کہا کہ ایسی صورت میں معاہدہ کے مطابق غیر مسلم قیدی قتل کر دیے جائیں گے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس راے سے اختلاف کیا اور کہا کہ بدلہ میں غیر مسلم قیدیوں کو قتل کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، کیوں کہ انھوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے اور ایک کے جرم کے بدلہ میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ ❷

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے متذکرہ بالا مسئلہ پر اپنی راے دیتے ہوئے قرآنی احکامات کی اصح ترجمانی کی ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر ارشاد فرمایا ہے:

''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی'' ❸

''کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر نہیں اٹھائے گا۔'' (فیضان القرآن)

خیال رہے کہ پاسداریِ عہد و پیمان کے حوالے سے اسلام نے بین الاقوامی قوانین پر جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں، اس کا اعتراف صرف اپنے ہی نہیں کرتے ہیں، بل کہ غیروں نے بھی نہایت ہی کشادہ دلی کے ساتھ ضابطۂ اسلامی کی چوکھٹ پر سرِ نیاز خم کیا ہے۔ اس مقام پر **Marcel A. Boisard** کے تحقیقی مقالہ کا یہ حصہ پڑھیے:

❶ دیکھیے: فتوح البلدان، ج:۱، ص:۱۸۸

❷ دیکھیے: السیر الکبیر، ج:۵، ص:۱۷۷۰-۱۷۶۷

❸ قرآن کریم، سورت:۳۵، آیت:۱۸

"In the field of international relations, we can imagine that there was a real contribution, since "international law" was an integral part of Muslim legal science and must not have been unknown to European universities. It was nonetheless a transmission of a more general character. Indeed. in its ethical expression and its abstract approach, Muslim law offered two fundamental principles to the West, on which were to later stand the future structure of law: equity and good faith. So it is that Islam not only reinforced the validity of the axiom pacta sunt [end of page 441] servanda, but also introduced it to international relations, making possible the systematic development of conventional law, which became a partial substitute for custom." ❶

''چوں کہ عالمی قانون اسلامی شریعت کا حصہ رہا ہے اور ممکن نہیں کہ یورپی یونی ورسٹیاں اس سے ناواقف ہوں، لہٰذا ہم بجا طور پر تصور کر سکتے ہیں کہ عالمی تعلقات کے میدان تیں (اسلامی شریعت کا) واقعی کردار رہا ہے۔ بہ ہر کیف یہ ایک عام اخلاقی اقدار کی ترسیل تھی، خصوصیت کے ساتھ اخلاقی آداب اور اجمالی نقطۂ نگاہ سے اسلامی شریعت نے دو بنیادی ضابطے مغرب کو

❶ **"THE PROBABLE INFLUENCE OF ISLAM ON WESTERN PUBLIC ANDINTERNATIONAL LAW" International Journal of Middle East Studies 11 (July 1980): 429-50**

دیے ہیں، جن کی بنیادوں پر مستقبل میں بننے والا قانون کا ڈھانچہ کھڑا ہونا تھا؛ ایک انصاف اور دوسرا اخلاص۔ اس طرح، اِسلام نے نہ صرف 'معاہدات کی پاسداری ضروری' کو تقویت پہنچائی، بل کہ اسے بین الاقوامی تعلقات میں متعارف بھی کرایا، جس کی وجہ سے روایتی قانون کی منظم ترقی کے اِمکانات پیدا ہوئے، جو کہ بعد میں ہمارے طریقۂ کار کے لیے جزوی متبادل ثابت ہوا۔"

ایک حیرت انگیز واقعہ:

اصحابِ سیر تحقیق و اِطمینان کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، جو رازدارِ رسول ﷺ کے لقب سے جانے جاتے ہیں، جب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو مشرکین نے انھیں گرفتار کرلیا اور پوچھنے لگے کہ کیا تم (سرکارِ دوعالم) محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے پاس جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: نہیں، بل کہ میں تو مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ یہ سنتے ہی مشرکین نے شرط رکھی کہ تم وعدہ کرو کہ ہمارے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لوگے۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اُنھیں زبان دے دی اور جب رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچے، تو اپنے وعدے کے حوالے سے عرض گزار ہوئے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

"نفي بعهدهم و نستعين الله عليهم" (1)

"ہم ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے نصرت وحمایت چاہیں گے۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں جنگِ بدر میں صرف اس لیے شریک نہیں ہوسکا کہ مشرکین نے مجھ سے جنگ نہ کرنے کا عہد لے رکھا تھا۔ اصحابِ سیر کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی، یہ اس لیے کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی جانب سے لڑنے والے بہت کم تھے اور ایک فرد کی شمولیت بھی نہایت ہی اہمیت کی حامل تھی۔

(1) اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۴۲

کوئی شک نہیں کہ عام حالات میں پاسداریِ عہد وپیمان کا معاملہ ہوتا، تو اور بات تھی، تاہم یہاں اِیمان و کفر، صداقت و ضلالت اور حق و باطل کے درمیان جنگ وجدال کا مرحلہ ہے، لیکن پھر بھی کیے ہوئے عہد کی پاسداری کی جا رہی ہے۔

اور یہ بھی تو دیکھیے کہ معاہدہ طرفین کی رضامندی سے نہیں ہو رہا ہے، بل کہ جانب مخالف جاں بخشی کے عوض اُنھیں عہد کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور وہ بھی اپنی من مانی شرط کی بنیاد پر، لیکن ان سب کے باوجود جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ زبان دے دیتے ہیں، تو سرکارِ دوعالم ﷺ وعدہ وفا کر رہے ہیں۔

یہاں پہنچ کر مجھے یہ کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا کہ پیکرِ اِنسانیت سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایسے نازک حالات میں اِیفائے عہد کرکے ایک ایسی مثال قائم کی ہے، جس کی نظیر معلوم دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کہیں مل سکے۔

رقت انگیز لمحات:

ہجرت کے چھٹے سال سرکارِ دوعالم ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے۔ یہ نورانی قافلہ احرام باندھے ہوئے راستے ہی میں تھا کہ اس کی اِطلاع مشرکین مکہ کو ہوگئی۔ اُنھوں نے آپس میں طے کرلیا کہ مسلمانوں کو کسی بھی قیمت پر مکہ مکرمہ داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، تاہم سرورِ کائنات ﷺ نے سفر جاری رکھا اور جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے سمجھا کہ تھکن کی وجہ سے ستانے کے لیے بیٹھی ہے، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اسے اسی ذات نے بٹھایا ہے، جس نے اصحابِ فیل کو پیش قدمی کرنے سے باز رکھا تھا۔ بہرکیف، یہ مقدس قافلہ یہاں رکا رہا اور مشرکین سے گفت وشنید کے بعد صلح نامہ تحریر کیا گیا، جو صلح حدیبیہ کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ مجھے یہاں صلح نامہ کے جملہ مندرجات سے بحث نہیں کرنی ہے، بل کہ موضوعِ سخن کے حوالے سے صرف یہ ذکر کافی ہے کہ متذکرہ معاہدہ کی ایک شق یہ تھی مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر رسولِ اکرم ﷺ کے

پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا، تاہم اصحابِ رسول ﷺ میں سے اگر کوئی شخص مکہ آجائے، تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

مؤرّخین کہتے ہیں کہ معاہدہ تحریر ہو چکا تھا اور اب صرف طرفین کے دست خط ہونے باقی تھے، کہ اتنے میں مشرکین مکہ کی طرف سے مقررہ نمائندہ سہیل بن عمرو کا بیٹا حضرت ابو جندل، جسے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی پاداش میں زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، کسی طرح زنجیریں گھسیٹتے ہوئے بارگاہ مصطفیٰ ﷺ تک آگئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کی خوشی کی اِنتہا نہ رہی، تاہم اس کا باپ سہیل بن عمرو غصہ سے بے تاب ہو گیا اور سامنے پڑی ہوئی ایک خاردار ٹہنی لے کر بیٹے کے چہرے پر مارتے ہوئے بولا کہ اے محمد (ﷺ)! یہ پہلا شخص ہے، جسے معاہدہ کے مطابق آپ واپس کیجیے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ نامہ پر دست خط نہیں ہوئے ہیں، اس لیے ابو جندل کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے، تاہم وہ بہ ضد ہوا کہ اگر زبانی طے کی گئی شرائط کے مطابق اسے واپس نہ کیا گیا، تو مَیں سرے سے معاہدہ کالعدم کردوں گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے ذاتی طور پر بھی کہا کہ میری خاطر تو اسے معاف کردے، لیکن جب وہ اپنے مطالبہ پر اَڑا رہا اور یہ محسوس ہونے لگا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ دوبارہ اُنھیں ظالم باپ کے حوالے کر دیں گے، تو وہ شدتِ کرب سے تڑپ اُٹھے۔

محسن اِنسانیت ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کمالِ شفقت و محبت کے ساتھ اپنے قریب کیا اور اِرشاد فرمایا:

"یا ابا جندل! اصبر و احتسب، فان الله جاعل لك و لمن معك من المستضعفین فرجا و مخرجا، فانا قد عقدنا بیننا و بین القوم صلحا و اعطیناهم علی ذالك و اعطونا عهد الله و انا لا نغدر بهم" ①

"اے ابو جندل! صبر و ضبط سے کام لو اور اللہ سے اجر و ثواب کی اُمید رکھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے کم زور ساتھیوں کے لیے نجات کی

① سیرتِ ہشام، ج:۴، ص:۵۲

سبیل نکالنے والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ ان شرائط پر عہد و پیمان کیا ہے اور اُنھوں نے ہمیں اللہ کا عہد دیا ہے، لہٰذا اب ہم عہد شکنی نہیں کرسکتے۔"

تصور کیجیے کہ ہزاروں حمایتوں کے درمیان ایک مظلوم ہم مذہب زنجیروں میں جکڑا ہوا مدد کے لیے پکار رہا ہے، تاہم اِیفائے عہد و پیمان کے تقاضے پر رسول اکرم ﷺ اسے دوبارہ ظالم باپ کے حوالے کر رہے ہیں!

رواجِ غلامی

دُنیا میں غلامی کے رواج کی اِبتدا کے حوالے سے کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی، تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک ہر شخص اپنی غذا کے لیے خود تگ و دو کرتا رہا، اس وقت تک انسان کو غلام بنانے کا تصور نہیں تھا کہ یہ اپنے سر ایک نئی ذمہ داری لینے کے مترادف ہوجاتا۔ پھر جوں ہی لوگوں نے اپنی طاقت و قوت کے سہارے لق و دق زمینیں اپنے قبضہ میں کرلیں اور ان پر کاشت کاری کرنے کا منصوبہ بنایا، تو مزدوروں کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ تعاون کے لیے حاصل کیے جانے والے یہی مزدور آہستہ آہستہ مروّجہ غلامی کا نقطہ آغاز بن گئے۔ اسی لیے تاریخ غلامی کے حوالے سے مؤرّخین کہتے ہیں کہ تہذیب و تمدن سے آشنائی کے ساتھ ہی انسانی معاشرہ میں غلام بنائے جانے کا تصور بھی شروع ہوا۔ ①

اٹھارہ سال قبل مسیح کی بیبیلونین تہذیب (Babylon) میں بھی غلامی کا تذکرہ ملتا ہے۔ چناں چہ بادشاہ حمورابی کے بنائے گئے قانون میں نہایت ہی صراحت کے ساتھ غلاموں کی نگہ داشت کے حوالے سے ہونے والے اخراجات کی ذمہ داری ان کے آقاؤں کے سر ڈالی گئی ہے۔ متذکرہ قانون کا یہ حصہ پڑھیے:

"If a physician shall perform on anyone an operation with a bronze operating knife and cure him, or if he shall open a growth on an eye and save the eye, he shall have ten shekhels of

① دیکھیے: *Britannica, Vol:16, Page:853*

silver; if it is a slave, his owner shall pay two shekhels of silver to the physician." (1)

''اگر کوئی ڈاکٹر کانسہ آپریٹنگ نائیف سے کسی کی آنکھ کا آپریشن کرے اور اسے اچھا کردے، یا کسی کی آنکھ میں ابھرتی ہوئی پھنسی پر جرح لگائے اور اسے اچھا کردے، تو وہ چاندی کے دس شیکلس لینے کا حق دار ہے، تاہم اگر مریض غلام ہو، تو اس کا آقا ڈاکٹر کو چاندی کے دو شیکلس ادا کرے گا۔''

اِسی طرح ساتویں صدی قبل مسیح کے دوران یونان میں بھی غلامی کی علامتیں دکھائی دیتی ہیں، خاص طور پر **Sparta** اور **Athens** کے علاقے تو اس حوالے سے بہت ہی شہرت رکھتے ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسپارٹا کے باشندے لوگوں کو بندھوا مزدور بنا لیتے تھے، جب کہ ایتھنس میں کان کنی کے لیے حاصل کیے جانے والے مزدوروں کے ساتھ زر خرید غلاموں جیسا افسوس ناک سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں نہایت ہی ہلاکت خیز تہ خانوں میں اترنے پر مجبور کیا جاتا اور ان کے حقوق کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ (2)

ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ یونان میں والدین اپنے بچے پھینک دیتے، تو ان کی پرورش و نگہ داشت کرنے والے اُنھیں غلام بنا لیتے۔ (3)

دوسری صدی قبل مسیح کے دوران روم میں نہ صرف غلامی عروج پر تھی، بل کہ غلاموں کے ساتھ نہایت ہی اذیت ناک سلوک بھی ظلم نہیں سمجھے جاتے تھے۔

"Slavery reached its high-water mark in Rome in the 2nd and 1st centuries BC. Not only were slaves very abundant and cheap, owing to the prevalence of wars and piracy, but the Roman upper classes were immensely wealthy and were

(1) ***Ira Rutkow Surgery 1993, page 7***

(2) دیکھیے: ***Historyworld.net, An evil of civilization***

(3) دیکھیے: ***Britannica, Vol:16, Page:856,857***

building up huge estates. The result was the introduction of agricultural slavery on a vast scale." (1)

''پہلی اور دوسری صدی قبل مسیح کے دوران روم میں رسمِ غلامی اپنی اِنتہا کو پہنچ گئی تھی۔ جنگ اور قزاقی کے نتیجے میں، نہ صرف غلام سستے اور بہتیرے تعداد میں تھے، بل کہ روم کے اعلیٰ طبقات نہایت مال دار ہو گئے تھے اور وہ بڑے بڑے علاقے تعمیر کر رہے تھے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر زراعت کے لیے غلام بنائے جانے کی شروعات عروج پر تھی۔''

غلاموں پر ظلم وتشدد:

طلوعِ فجرِ اسلامی سے پہلے، نہ صرف دنیا کے مہذب ترین علاقے رسمِ غلامی سے آشنا تھے، بل کہ آقاؤں کے ہاتھوں ہونے والے ہول ناک سلوک پر عظمتِ اِنسانیت شرم سار بھی تھی۔ غلاموں سے بہت زیادہ خدمت لی جاتی اور آرام کے لیے نہایت ہی کم موقع دیا جاتا تھا۔ ان کے رہنے سہنے، خورونوش اور قیام کی سہولتیں ناقص ہوتیں۔ علاج و معالجے پر بھی کم توجہ دی جاتی تھی۔

"Most slaves were completely detached from the societies in which they had grown up, or else they were home-bred: neither group had any real hope of achieving better conditions except with their owners' support. Besides, slaves were utterly dependent on their masters. The sanctions for disobedience or dishonesty were horrifying. It was in principle illegal to kill a slave, deliberately at least, although who would

(1) دیکھیے: ***Britannica, Vol:16, Page:856,857***

bring a case against a master? But slaves might be routinely confined, beaten, even tortured, and there were many lesser sanctions." [1]

''زیادہ تر غلام معاشرہ سے الگ تھلگ کسی دور اُفتادہ علاقے میں رہتے، یا پھر کسی گھر میں پرورش پاتے؛ بہ ہر کیف دونوں طرح کے غلام اپنے آقاؤں کی مرضی کے بغیر حالات میں بہتری کی کوئی اُمید نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے آقاؤں پر پوری طرح منحصر تھے۔ کسی طرح کی بھی حکم عدولی یا بے ایمانی کی سزا نہایت ہی ہول ناک ہوتی تھی۔ گو کہ بنیادی طور پر، کم از کم جان بوجھ کر کسی غلام کی جان لینا غیر قانونی تھا، تاہم کس کی جرات تھی کہ آقا کے خلاف مقدمہ کرے؟ اس لیے غلام عام طور پر قید کیے جاتے، مارے جاتے اور اذیت ناک مراحل سے گزرتے، اور علاوہ ازیں، اس سے کم کئی طرح کی دوسری سزائیں اُنھیں دی جاتی تھیں۔''

متذکرہ کتاب کے مصنف نے بہت صاف زبان میں یہ تو نہیں کہا کہ حکم عدولی کرنے والے غلاموں کی جان تک لے لی جاتی تھی، تاہم اسلوب بیان سے یہ امر خوب عیاں ہے کہ دانستہ طور پر اُنھیں قتل کرنا قانونی اِعتبار سے جرم سہی، لیکن آقاؤں کے خلاف مقدمہ کرنے کی جراَت کسی میں نہ ہونے کی وجہ سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ ایسے افسوس ناک واقعات بلاشبہہ ظہور پذیر ہوتے رہے تھے۔

اور پھر جان لے لینا ہی تو صرف ظلم وتشدد اور جبر وقہر نہیں ہے، بل کہ اُنھیں سخت اذیت پہنچانا، زدوکوب کرنا اور قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کرنا بھی تو بربریت، حیوانیت اور سفاکیت کے اثبات کے لیے نہایت ہی مضبوط شواہد ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اُنھیں معاشرے سے الگ تھلگ کیے رکھنا اپنے آپ میں ایک کرب مسلسل ہے، جس کی چوٹ سے قلب انسانی دن میں ایک بار نہیں' کئی کئی بار زخمی ہوتا ہے، بل کہ یوں کہیے کہ نیزے کی انی سے تو جسم کا حصہ وقتی طور سے گھائل ہوتا ہے، تاہم انسانی معاشرے سے پرے رکھنے کی

[1] ***Rome, An Empire's Story: Greg Woolf, page:89***

وجہ سے وہ اپنی بدنصیبی کی چوکھٹ پر ایک ہی دن میں کئی بار مرتا ہے اور کئی بار زندہ ہوتا ہے۔

یہ جان کر حیرت دوچند ہو جاتی ہے کہ غلاموں سے نہایت ہی سختی کے ساتھ خدمت لینے کے علاوہ اُنھیں تفریح طبع کے لیے بھی اِستعمال کیا جاتا تھا۔ اس حوالے سے روم کا پسندیدہ **Gladiatorial Games** بہ طور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ لاطینی زبان میں **Gladiator** کا مطلب ہے ''حامل سیف''۔ قدیم رومی ثقافت کا یہ مشہور ومعروف تماشہ شہر میں بنائے گئے بڑے بڑے تھیٹروں میں ہوتا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ تماشے کبھی دو گلیڈیٹر کے درمیان، کبھی گلیڈیٹر اور کسی مجرم کے درمیان، اور کبھی گلیڈیٹر اور کسی خوں خوار جانور کے بیچ ہوتے تھے، جس میں بسا اوقات جان تک چلی جاتی تھی۔ گلیڈیٹر عام شہری بھی ہوتے تھے، لیکن غلام کثرت سے اِستعمال کیے جاتے تھے۔ اس پس منظر میں بھیگی پلکوں کے ساتھ یہ تاریخی شہادت پڑھیے:

"A gladiator's life expectancy was short. The best evidence comes from a cemetery at Ephesus, in Turkey, where 120 skeletons of gladiators have been excavated and studied. Almost all of them died before age thirty-five, many before age twenty-five. Between one-third and one-half of them died from wounds violent enough to cut or shatter their bones, and about one-third of those wounds were blows to the head. The other skeletons show no sign of bone damage, but the men might have died violently nonetheless, from disembowement or a severed artery or an infected flesh wound, for example." [1]

[1] ***The Spartacus war: Baryy Strauss, Pwge:27***

''گلیڈیٹر کی ممکنہ حیات نہایت مختصر ہوتی تھی۔ اس بات کے ثبوت کے لیے ترکی کے اِپھیسس قبرستان مضبوط دلائل فراہم کرتے ہے، جہاں ۱۲۰ ار گلیڈیٹر کے ڈھانچے کھود کر نکالے گئے اور اُن پر تحقیق کی گئی۔ تقریباً سارے گلیڈیٹر کی موت ۳۵ سال کی عمر سے پہلے ہی واقع ہوئی۔ ان میں ایک تہائی سے ایک نصف تک ایسے تھے، جن کی موت ایسے شدید زخموں سے ہوئی، جن کے اثر سے ہڈیاں تک کٹ سکتی تھیں یا ٹوٹ کر بکھر جاتیں، اور ان کے ایک تہائی زخم تو سر تک پہنچے ہوئے تھے۔ دوسرے ڈھانچے ہڈیوں پر زخم کی کوئی علامت نہیں رکھتے تھے، تاہم بہ ہر کیف یہ لوگ تشدد کے نتیجے میں ہلاک ہوئے ہیں، جیسے چاک شکم، قطع نس یا گوشت پر کسی متاثرہ زخم کی وجہ سے۔''

زمانۂ قدیم کی ایک نہایت ہی ترقی یافتہ تہذیب میں رسم غلامی کی تصویر دیکھنے کے بعد۔ لگے ہاتھوں مصر میں برسوں مسند اِقتدار پر براجمان رہنے والے فراعنہ کے زیر اثر انسانوں کے غلام بنائے جانے کے نشانات بھی دیکھتے چلیے۔

تاریخی شواہد کے مطابق عہد فرعون کے جنگی قیدی غلام بنائے جاتے تھے۔ بنیادی طور پر سارے قیدی فرعون کی ملکیت ہوتے، جو اُنھیں ذاتی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیتا اور کبھی بعض قیدیوں کو مذہبی عبادت خانوں کی خدمت کے لیے بھیج دیتا۔ ❶

پرانے زمانے میں غلاموں کی حالت زار کے لیے یہ اِقتباس پڑھیے:

"Nevertheless a slave was not a human being before the las but a 'head' like an animal." ❷

''بہ ہر کیف، ایک غلام قانون کی نگاہ میں انسان نہیں، بل کہ سر والے جانور کی مانند تھا۔''

❶ دیکھیے: ان سائی کلو پی ڈیا بریٹانیکا، ج:۱۶، ص:۸۵۵

❷ ان سائی کلو پی ڈیا بریٹانیکا، ج:۱۶، ص:۸۵۶

Hebrew Law میں بھی غلاموں کے حقوق کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی، بل کہ اُنھیں آقاؤں کی مملوکہ جائیدادوں کے مثل سمجھا جاتا تھا۔

"If a man strikes his male or female slave with a rod and he dies at his hand, he shall be punished. If, however, he survives a day or two, no vengeance shall be taken; for he is his property." ❶

''اگر کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو چھڑی سے مارے اور وہ اسی وقت مرجائے، تو اسے سزا دی جائے گی، تاہم اگر وہ ایک یا دو دنوں تک زندہ رہنے کے بعد مرجائے، تو آقا سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی کہ وہ بہ ہر کیف اس کی جائیداد ہے۔''

دیکھ رہے ہیں آپ! ضرب شدید کے بعد غلام اور باندی ایک یا دو دنوں تک زندہ رہ جائیں، تو آقا سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی کہ وہ بہ ہر کیف آقا ہی کی جائیداد ہیں۔ توجہ رہے کہ آقاؤں کو اپنے غلاموں اور باندیوں پر ظلم وتشدد کرنے کی کھلی چھوٹ بھی دی جارہی ہے اور ظلم وتشدد کے لیے جو سبب بیان کیا جارہا ہے وہ بھی نہایت ہی ذلت وحقارت پر مبنی ہے کہ جب غلام وباندی اپنے آقاؤں کی جائیداد ہیں، تو اُنھیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔

ٹھیک ہے کہنے کو کہہ دیا کہ آقا کی ضرب سے غلام اور باندی فوراً مرجائیں، تو اسے سزا دی جائے گی، تاہم زمانۂ قدیم میں کسی کے مرنے کے بعد یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ اس کی پٹائی کب ہوئی ہے۔ اس لیے کہنے دیجیے کہ یہ ''اِحسانِ عظیم'' غلاموں کے لیے زبانی ہم دردی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

❶ *Exodus, 21:20-21*

غلامی اِسلام کے سائے میں

نا قابلِ اِنکار تاریخی دستاویز اور روشن و تاب ناک حقائق و معلومات کے اُجالے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مکہ میں طلوعِ اِسلام سے برسوں پہلے دنیا کے ترقی یافتہ معاشرے میں انسانوں کو غلام بنائے جانے کا رواج عام تھا۔ جغرافیائی تقاضے کے پیشِ نظر مختلف علاقوں میں غلامی کے اسباب و علل میں قدرے اِختلافات سہی، تاہم یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ غلاموں سے بالجبر خدمات لی جاتیں، انھیں زدو کوب کیا جاتا اور تسکینِ طبع کے لیے وہ جانوروں کی مانند اِستعمال کیے جاتے تھے۔

اِسلام نے غلامی کے رواج کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے حکمت و دانش مندی کے ساتھ نہایت ہی مؤثر اُسلوب اِختیار کیا ہے۔ سماجی بیماریوں کے حوالے سے اِسلام کے طریقۂ علاج سے واقفیت رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اِسلام نے معاشرے میں پوری طرح رچی بسی برائیوں کے خاتمے کے لیے کبھی تو سخت احکامات صادر کر کے انہیں یک لخت ختم کردیا، کبھی تدریجی طریقہ ممانعت کے ذریعہ اُنھیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں حیرت انگیز کام یابی حاصل کی ہے اور کبھی ایسے ضابطے بنائے، جن کے عملی نفاذ کے ثمرات زیرِعلاج مسئلہ کے اِختتام کی صورت میں بہ ہر کیف ظاہر ہو کر رہے۔

اِس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ اِسلام نے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے مندرجہ ذیل تین طریقے اپنائے:

۱- بہ راہِ راست حکمِ اِمتناعی
۲- بہ تدریج حکمِ اِمتناعی
۳- ضابطۂ تحدید و تقلیل

یک لخت احکامات کے ذریعہ ممنوع قرار دی جانی والی اشیا کثرت سے ہیں۔ مثال کے طور پر ناحق قتل و خون، چوری، ربا، جوا، سٹہ اور بچیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت تدریجی طور پر نہیں، بل کہ یک لخت صادر ہوئی، یہ اور بات کہ بعض مسائل کے بارے میں

نقصانات، خطرات اور سنگینی حالات کے پیشِ نظر ایک نہیں، کئی کئی مرتبہ مختلف جہات سے گفت گو کی گئی ہے۔ [1]

جب کہ حرمتِ خمر کے حوالے سے تدریجی طور پر احکامات نازل ہوئے۔ فقہاے کرام کی تحقیق و تشریح کے مطابق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی، اس میں خمر کے حسن و قبح دونوں پہلوؤں کا ذکر ہوا، تاہم یہ وضاحت کی گئی کہ منفعت کے مقابلے میں نقصانات کہیں زیادہ ہیں۔

"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ، وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" [2]

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ وضاحت کر دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ دنیوی فائدے بھی ہیں، مگر ان کا گناہ فائدے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔"

(فیضان القرآن)

کہتے ہیں کہ متذکرہ آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں نے تو شراب چھوڑ دی، تاہم دوسرے لوگ بہ دستور پیتے رہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے شراب پی اور نشے کی حالت ہی میں نماز شروع کردی۔ سورۂ کافرون کی تلاوت کے دوران نشے کی وجہ سے اِمام کی زبان سے بہ جاے "لا اعبد ما تعبدون" کے "اعبد ما تعبدون" نکل گیا۔ ظاہر ہے اِشارہ کافروں کے معبدوں کی پرستش کے بارے میں تھا، جو کہ اِسلام کے بنیادی

[1] دلائل کے لیے دیکھیے:
قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۳۲
قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۳۸
قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۷۵
قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۹۰
قرآن کریم، سورت:۱۷، آیت:۳۱

[2] قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۱۹

عقیدۂ توحید سے قطعی متصادم تھا، لہٰذا شراب کے حوالے سے دوسری ہدایت آئی: ❶

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ'' ❷

''اے اِیمان کی دولت سے مشرف ہونے والے خوش نصیبو! تم نشہ کی حالت میں نماز کی ادائگی کا ارادہ نہ کرو، یہاں تک کہ تمھاری کیفیت یہ ہوجائے کہ جو کہہ رہے ہو، اسے اچھی طرح سمجھ بھی لو۔''

مفسرین لکھتے ہیں کہ متذکرہ ہدایت کے بعد لوگوں نے شراب پینی چھوڑ دی، تاہم بعض لوگ اوقاتِ نماز میں مَے نوشی سے اِجتناب کرنے لگے۔ انھی دنوں حضرت سعد بن ابی وقاص نے بعض انصار کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد لوگوں نے شراب پی۔ نشے کی حالت میں اُنھوں نے یہ کہہ دیا کہ مہاجرین انصار سے زیادہ بہتر ہیں۔ اتنے میں ایک انصاری نے اونٹ کا سر اٹھایا اور ناک پر دے مارا۔ ناک خون آلود ہوگئی۔ وہ بھاگتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ کے پاس پہنچے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ❸

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' ❹

''اے دولت ایمان سے مشرف ہونے والو! شراب، جوا، بت اور فال نکالنے کے تیر محض ناپاک اور شیطانی عمل ہیں، لہٰذا تم ان سے اِجتناب کروتا کہ فلاح وکام یابی تمھارے قدم چومے۔'' (فیضان القرآن)

ملاحظہ فرما رہے ہیں! بلاشبہ ایسے معاشرہ سے مَے نوشی کی روایت کو ہمیشہ کے لیے ختم

---

❶ روح البیان: شیخ اسماعیل حقی، ج:۱، ص:۳۳۶
❷ قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۴۲
❸ دیکھیے: تفسیر قرطبی، ج:۶، ص:۲۸۵
❹ قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۹۰

کرنا کوئی آسان نہ تھا، جس کی رگ رگ میں لذتِ شراب سرایت کرگئی ہو، تاہم دینِ اسلام نے اپنی یکتائے روزگار حکمت عملی، دانش مندی اور دور اندیشی، سے تدریجی مراحل میں شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔

اور ضابطۂ تحدید و تقلیل کے پس منظر میں غلامی کے رواج کی مثال بجا طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ اِسلام نے بعض معاشرتی مصلحتوں کی وجہ سے غلامی کو یک لخت ختم کرنے کے بہ جائے اسے نہایت ہی محدود اور برائے نام کے درجے تک پہنچانے میں حیرت انگیز، بے مثال اور غیر معمولی کام یابیاں حاصل کی ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ دلوں کے دروازے پر یہ خیال دستک دینے لگے کہ اِسلام نے صراحت کے ساتھ اسے ناجائز قرار کیوں نہیں دیا؟ جواب کے لیے قدرے توقف فرمایئے کہ یہ بات ضروری تمہید کے بغیر پورے طور پر نہیں سمجھی جاسکتی۔

چوں کہ، زیر بحث عنوان کا یہ پہلو ہمارے مقررہ موضوع سے بہ راہِ راست تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسے قدرے تفصیلات کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسم غلامی کی تحدید و تقلیل:

تاریخ عالم پر عقابی نگاہ رکھنے والے محققین، علما اور اربابِ علم و دانش گواہ ہیں کہ روے زمین پر اِسلام نے سب سے پہلے رسم غلامی کو لگام دینے میں سنجیدہ تحریک شروع کی، اور وہ بھی اس وقت جب کہ دنیا کے وسیع وعریض خطوں میں رسم غلامی عروج پر تھی۔ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ پچھلی صدی تک دنیا کے مختلف خطوں میں انسان غلام بنائے جاتے رہے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ جو انسانیت سوز رسم انیس ویں صدی تک جاری رہی ہے، اسے پندرہ سو سالوں پیش تر لگام دینے کے لیے کام یاب کوشش کی اِبتدا کس قدر اہم، تاریخی اور قابل ستائش اقدام کہے جانے کی مستحق ہے؟

رسم غلامی کی تحدید و تقلیل کے حوالے سے کیے گئے ٹھوس اِقدامات کے مثبت نتائج سے واقفیت کے لیے مندرجہ ذیل نکات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

۱۔حسن سلوک کی تعلیم:

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خاص ہدایت دی ہے اور یہ ہدایت ایک بار نہیں، بل کہ مختلف پس منظر میں کئی بار ہمیں دی گئی ہے، تا کہ یہ امر آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے کہ غلاموں کے ساتھ شفقت، محبت اور مروّت سے پیش آنا تعلیماتِ اسلامی کا لازمی حصہ ہے۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" ❶

"......نیز والدین، عزیز و اقارب، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ساتھیوں، راہ گیر اور اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرو......" (فیضان القرآن)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کس حد تک کرنا چاہیے، یہ دیکھنے کی خواہش ہے تو وہ واقعہ پڑھیے، جسے حضرت معرور بن سوید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جس کپڑے کا کرتا وہ زیب تن کیے ہوئے ہیں، بعینہٖ اسی کپڑے کا کرتا ان کا غلام بھی پہنے ہوئے ہے۔ میں نے کہا کہ اگر دونوں کپڑے خود اپنے لیے رکھتے، تو یہ آپ کے مکمل لباس کے لیے کافی ہوتا۔ وہ جواب دیتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے ایک مرتبہ کسی کو اس کی ماں کا طعنہ دیا، جو کہ باندی تھی، تو اس نے جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا:

"......هم اخوانكم، جعلهم الله تحت ايديكم، فاطعموهم مما تاكلون و البسوهم مما تلبسون، و لا

❶ قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۳۶

تكلفوهم ما يغلبهم، فان كلفتموهم فاعينوهم" ❶

"......وہ تمھارے بھائی ہیں، اللہ نے انھیں تمھارے زیر تصرف کر دیا ہے، لہٰذا تم انھیں وہ کھلاؤ جو خود کھاؤ، وہ پہناؤ جو خود پہنو اور ان سے ایسے سخت کام نہ لو جس کی اِستطاعت ان میں نہ ہو، اور اگر کوئی سخت کام لو تو خود بھی ان کے ساتھ لگ جاؤ۔"

قدیم رومی تہذیب اور یہودی قانون کے حوالے سے آپ نے پڑھا کہ غلاموں کو زدوکوب کرنا کوئی معیوب نہیں تھا، تاہم غلاموں کو مارنے کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ملاحظہ کیجیے:

"من ضرب غلاما له حدا لم ياته او لطمه، فان كفارته ان يعتقه" ❷

"جس نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم کی پاداش میں پیٹ دیا، جو اس نے نہیں کیا ہے، یا یوں ہی اسے تھپڑ دے مارا، تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔"

غلاموں کو زدوکوب کرنے کے حوالے سے بات نکلی ہے، تو وہ واقعہ بھی سن لیا جائے جسے احادیث کی معتبر کتابوں نے اپنے صفحات میں جگہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود بدری ایک بار اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آواز دی، تاہم شدتِ غیظ و غضب سے وہ آواز شناخت نہ کر سکے۔ جب آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قدرے قریب ہوئے تو فرمایا:

"اعلم ابا مسعود! ان الله اقدر عليك منك على هذا الغلام" ❸

❶ مسلم، ج:۱۱، ص:۱۱۱

❷ مسند احمد، ج:۲، ص:۱۳۸

❸ مسلم، ج:۱۱، ص:۱۰۹

"اے ابو مسعود! جان لو کہ جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو، اس سے کہیں زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ تم پر رکھتا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت ابو مسعود کے ہاتھوں سے چھڑی چھوٹ کر گر جاتی ہے اور وہ اعلان کرتے ہیں کہ اے رسولِ خدا! مَیں اللہ کے لیے یہ غلام آزاد کیے دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم اسے آزاد نہیں کرتے، تو آتش جہنم تمھیں ضرور اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ❶

ملاحظہ فرمایئے! اپنے غلام کو زد و کوب کرنے پر آتش جہنم کی سخت وعید، اور وہ بھی لفظ "ضرور ولزوم" کے ساتھ۔

۲- غلام بنانے کے راستے محدود:

طلوعِ اسلام سے پہلے غلام بنانے کے بہتیرے راستے کھلے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اِنسان کئی راستے سے غلام بنائے جا رہے ہوں، تو غلاموں کی تعداد میں کثرت کیوں نہ ہوتی؟ یہی وجہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں معاشرہ کے مال دار طبقات کے یہاں غلاموں کے نشانات کثرت کے ساتھ جابہ جا دکھائی دیتے ہیں۔

شعور و آگہی رکھنے والے اِتفاق کریں گے کہ کسی بھی بڑے مسئلہ کے حل کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اسے کسی حد تک محدود کیا جا سکے، تاکہ حالات مزید خراب ہونے سے محفوظ رہیں۔ اِسلام نے حکمت و دانائی کے تقاضے کے مطابق غلام بنانے کے راستے محدود کردیے۔

اب آیئے، ذرا تاریخ انسانی کے آئینے میں عام طور پر غلام بنانے کے طریقوں پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں اور اس کے مقابل اسلامی ہدایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

الف: رومی اور عبرانی تہذیب میں بعض جرائم کی پاداش میں غلام بنانے کی روایت رہی ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص قرض کی ادائیگی سے قاصر رہے، اسے غلام بنالیا جاتا تھا۔ قرآنِ مقدس نے مقروض کو مہلت دینے کا حکم دے کر یہ راستہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا:

❶ دیکھیے: ابوداود، ج:۱۴، ص:۶۸

"وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" ❶

"اور اگر مقروض مالی تنگی کے دور سے گزر رہا ہو، تو چاہیے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے اور تمھارے لیے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اسے معاف کردو۔" (فیضان القرآن)

اِسی طرح زکوٰۃ کے مستحقین میں مقروض بھی شامل رکھے گئے، تاکہ اصحابِ ثروت کڑے وقت میں ادائیگی قرض کے لیے مقروض کی مالی اعانت کرسکیں۔ ❷

ب: اِسی طرح قدیم تہذیب میں آزاد انسان اِغوا کر کے سامانِ تجارت کی طرح بازار میں فروخت کردیے جاتے تھے اور خریدنے والے انھیں غلام بنالیتے تھے۔ خیال رہے کہ نتیجہ کے پس منظر میں اس راستے سے کثرت کے ساتھ لوگ غلام بنائے جاتے تھے۔ اس کی مثالیں افریقی ممالک میں پچھلی صدی تک موجود تھیں، جب کہ مغربی طاقتیں افریقہ کے غریب ممالک پر حملہ کرتیں اور لوگ اِغوا کرلیے جاتے۔ بہ ہر کیف، اسلام نے حکمت و دانائی کے ساتھ یہ راستہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا۔

جذبۂ ستائش میں ڈوب کر وہ حدیث قدسی پڑھیے، جسے امام بخاری نے آزاد اِنسان کی خرید و فروخت کے ممنوع ہونے کے باب میں درج کیا ہے:

"قال اللّٰہ تعالٰی: ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة، رجل اعطى بی ثم غدر، رجل باع حرا فاكل ثمنه، رجل استاجر اجيرا، فاستوفٰى منه و لم يعطه اجره" ❸

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا: ایک

❶ قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۸۰

❷ دیکھیے: قرآن کریم، سورت:۹، آیت:۶۰

❸ بخاری، ج:۲، ص:۷۷۵

وہ جو میرے نام پر عہد کرے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے، دوسرا وہ جو کسی آزاد انسان کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کھالے، تیسرا وہ جو کسی مزدور کو اُجرت پر رکھے اور وہ اپنا کام پورا کر دے، تاہم وہ اسے مزدوری نہ دے۔"

ج: قدیم تہذیبوں میں جنگ جیتنے والی طاقتیں فریق مخالف کے سپاہیوں کو غلام بنالیتی تھیں، جب کہ اِسلام نے جنگی قیدیوں کے معاملے میں حالات کے تقاضے کے مطابق مناسب فیصلہ کرنے کی ہدایت دی۔

قرآنِ مقدس قیدیوں کے بارے میں اِرشاد فرماتا ہے:

"فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً" (1)

"پس جب میدانِ جنگ میں تمھارا مقابلہ کفار سے ہو جائے، تو ان کی گردنیں مار دو، یہاں تک کہ جب تم انھیں خوب قتل کر لو تو باقی ماندہ دشمنوں کو قیدی بنا کر مضبوطی سے باندھ لو، پھر اس کے بعد تمھیں اختیار ہے، چاہو تو بغیر فدیہ لیے انھیں چھوڑ دو اور چاہو تو فدیہ لے لو!" (فیضان القرآن)

متذکرہ آیت کریمہ سے جنگی قیدیوں کے معاملے میں دو اِختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حسن سلوک کرتے ہوئے انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے، یا پھر فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا جائے۔ چناں چہ سرکار دو عالم ﷺ نے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ بدر کے کئی قیدیوں کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ ان میں ابو العاص بن ابی الربیع، مطلب بن حطب اور ابو عزۃ الجمعی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ (2)

اسی کے ساتھ ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی روایت بھی ملتی ہے، تاہم یہ بات واضح رہے کہ اسلام نے غلام بنانے کا حکم نہیں دیا ہے کہ جس پر عمل کرنا ناگزیر ہو جائے، بل کہ تین اِختیارات عطا کر دیے ہیں کہ حالاتِ زمانہ کے مطابق جو بہتر ہو، اسے بہ روئے کار لایا جائے۔

(1) قرآن کریم، سورت: ۴۷، آیت: ۴

(1) دیکھیے: فتح القدیر، ج: ۵، ص: ۲۲۱

۳- کفارات میں غلاموں کی آزادی:

یہ بات غلاموں کے ساتھ اِنتہائی ہم دردی، محبت اور شفقت پر دلالت کرتی ہے کہ اِسلام نے خطاؤں اور لغزشوں کی پاداش میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ قابل غور ہے کہ اگر غلامی اِسلام کے نزدیک مستحسن ہوتی، تو کفارات میں غلاموں کے آزاد کرنے کا کوئی تصور نہ ہوتا۔

آگے بڑھنے سے پہلے کفارات کے احکامات پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیجیے!

الف: **کفارۂ ظہار میں:**

"وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" (1)

"جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کی جگہ کہہ دیں، پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں، یہ وہ ہدایت ہے جو تمھیں کی جاتی ہے، اور اللہ تمھارے اعمال سے خوب واقف ہے۔" (فیضان القرآن)

ب: **روزہ توڑنے کی پاداش میں:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم بارگاہِ رسالت مآب میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مَیں نے حالت روزہ میں اپنی اہلیہ سے صحبت کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک غلام آزاد کرے، یا ساٹھ روزے پے در پے رکھے، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔" (2)

ج: **کفارۂ قسم میں:**

"لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ

(1) قرآن کریم، سورت: ۵۸، آیت: ۳

(2) دیکھیے؛ بخاری، ج: ۲، ص: ۶۸۳

بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ'' (1)

''تمھاری نادانستگی میں کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تمھاری گرفت نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تمھاری گرفت فرمائے گا، جنھیں تم نے سمجھ بوجھ کر کھایا ہو، اس کے توڑ دینے کی پاداش میں تم یا تو دس مسکینوں کو دونوں وقت متوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جسے تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے دو اور یا ایک غلام آزاد کرو اور جو یہ نہ کر سکے وہ پے در پے تین روزے رکھے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے، جو تم نے سمجھ بوجھ کر کھایا ہے، قسموں کے توڑنے کی بہ جائے تمہیں چاہیے کہ کھائی ہوئی قسموں کی حفاظت کرو۔'' (فیضان القرآن)

د: **کفارۂ قتل میں:**

''وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا'' (2)

''کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کردے، سوائے اس کے کہ سہواً ہو جائے اور جس نے ایک مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہ سزا کے طور پر ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خوں بہا بھی ادا کرے، ہاں اس کے وارثین اگر چاہیں تو خوں بہا

(1) القرآن کریم، سورت: ۵، آیت: ۸۹
(2) قرآن کریم، سورت: ۴، آیت: ۹۲

معاف کر سکتے ہیں، پھر اگر مقتول کا تعلق تمھاری دشمن قوم سے ہے تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے اور اگر مقتول کا تعلق ایسی قوم سے ہے کہ جس کے ساتھ تمھارا عہد و پیمان ہو چکا ہے، تو پھر خوں بہا بھی دیا جائے اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کیا جائے اور جسے آزاد کرنے کے لیے غلام میسر نہ آئے، اسے چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی نیت سے مسلسل دو ماہ تک روزے رکھے، بلاشبہہ اللہ سب کچھ جاننے والا بھی ہے اور حکمت و دانائی کا سرچشمہ بھی۔'' (فیضان القرآن)

۴- غلام آزاد کرنے کی ترغیب:

خیال رہے کہ اِسلام نے صرف خطاؤں اور لغزشوں کے کفارات میں غلام آزاد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، بل کہ سرکار دوعالم ﷺ اسے کارِ خیر، عمل صالح اور باعث اجر و ثواب قرار دے کر یوں بھی غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں:

''من اعتق رقبة مؤمنة، اعتق الله بكل ارب منها اربا منه من النار'' (1)

''جو ایک مسلم غلام آزاد کرے، تو اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ تاریخ اِسلامی میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، جب مسلمانوں نے کسی کفارۂ جرم کے بغیر بھی اپنے غلاموں اور باندیوں کو آزاد کر دیا، بل کہ بسا اوقات دوسروں سے انہیں خرید کر آزاد کرنے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے نجم وہاج سے نقل کر کے لکھا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے تریسٹھ غلام آزاد کیے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہتر، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دورانِ محاصرہ بیس، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے سو،

(1) مسلم، ج:۱۰، ص:۱۳۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار، حضرت ذوالکلاح نے ایک دن میں آٹھ ہزار، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ ❶

اِس کے علاوہ بھی صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بعد میں آنے والے مسلمان غلام آزاد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

غلام آزاد کرنے کی تحریک اِس قدر پُرکشش ہوگئی تھی کہ لوگ اپنی طرف سے غلام آزاد کرنے کی وصیت تک کرنے لگے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عاص بن وائل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کر دیے جائیں۔ چناں چہ ان کے ایک بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے۔ ایک دوسرے صاحب زادے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اِس حوالے سے اِستفسار کیا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''.....انه لو كان مسلما، فاعتقتم عنه، او تصدقتم عنه او حججتم عنه، بلغه ذٰلك'' ❷

''......اگر وہ مسلمان تھے، تو پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرو، یا صدقہ دو، یا حج کرو، بہ ہرکیف وہ ان تک پہنچ جائے گا۔''

ایک عجیب نکتہ:

یہ بات دو اور دو چار کی طرح مسلم ہے کہ زمانۂ کفر میں کیے ہوئے گناہ حلقۂ اِسلام میں داخل ہوتے ہی معاف ہو جاتے ہیں، تاہم غلاموں کی آزادی سرکارِ دوعالم ﷺ کو اِس قدر عزیز تھی کہ جب قیس بن عاصم التمیمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مَیں نے زمانۂ جاہلیت میں آٹھ بچیوں کو زندہ درگور کیا ہے، تو رحمتِ دوعالم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''اعتق عن كل واحد منهن نسمة'' ❸

❶ دیکھیے: فتح العلام شرح بلوغ المرام، ج:۲، ص:۳۳۲
❷ ابوداؤد، ج:۸، ص:۸۹
❸ سنن کبریٰ بیہقی، ج:۱۲، ص:۲۰۵

''تم ان میں سے ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو!''

یہاں پہنچ کر یہ کہنے دیا جائے کہ زمانۂ جاہلیت میں کی ہوئی غلطی گو کہ معاف ہوگئی تھی، تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غلاموں کی آزادی کے لیے بہانے کی تلاش میں رہتے تھے اور ایسے گناہوں کے عوض بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیتے تھے، جن کے حوالے سے قیامت کے دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

جائزۂ بحث:

اِسلامی تعلیمات کے سائے میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے حوالے سے قدرے تفصیلی بیان آپ کی نگاہوں سے گزر چکا ہے۔ نتیجہ بحث تک بہ آسانی رسائی کے لیے مندرجہ نکات خصوصی توجہ کے طالب ہیں:

الف: غلاموں کو وہی کھلاؤ، جو خود کھاؤ!
ب: اُنھیں ویسا ہی پہناؤ، جیسا خود پہنو!
ج: اِستطاعت سے زیادہ ذمہ داریاں اُن کے سر نہ ڈالو!
د: اُنھیں زدوکوب نہ کرو!
ہ: مختلف کفارے میں اُنھیں آزاد کرو!
و: غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب
ز: غلاموں کے آزاد کرنے پر اجر و ثواب
ح: غلام بنانے کے راستے محدود، جب کہ غلامی سے نکلنے کے راستے وسیع تر
ط: غلام آزاد کرنے کی وصیت
ی: غلاموں کو زدوکوب کرنے کی پاداش میں انھیں آزاد کرنا
ک: غلاموں پر شفقت و مرحمت
ل: غلام بنانا ضروری نہیں قرار دیا گیا کہ خواہی نخواہی غلام بنانا ہی پڑے

ہو سکے تو عدل و اِنصاف کی رفاقت میں مندرجہ نکات پر نگاہ ڈالیے اور غیر جانب

داری کے ساتھ اپنے ضمیر کی آواز سننے کی کوشش کیجیے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اِسلام نے غلاموں کی ناگفتہ بہ حالت پر دستِ شفقت نہیں رکھا ہے؟

بلاشبہ اِسلام ہی وہ مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے غلاموں کے حقوق کے لیے صدائے اِحتجاج بلند کیا اور اپنے ماننے والوں کو ایسے ضابطے کا پابند بنایا، کہ جن پر عمل پیرا ہونے کے بعد غلام و باندی برائے نام ہی غلام و باندی رہ گئے، حقیقت میں وہ مسلمانوں کے بھائی اور بہن جیسے ہوگئے، بل کہ یوں کہیے کہ ’’غلام‘‘ دامنِ اِسلام کے سایۂ عاطفت و محبت میں دوسرے خادموں کی بہ نسبت کہیں زیادہ بہتر، اِطمینان بخش اور پُرسکون حیات سے لطف اندوز ہونے کے قابل ہوگئے۔

ایک شبہہ کا اِزالہ:

زیرِ بحث موضوع کے اِختتام پر ایک شبہہ کا اِزالہ نہایت ہی ضروری ہے کہ جب اِسلام کے نزدیک غلاموں کی آزادی پسندیدہ تھی، تو پھر اسے یک لخت ختم کرنے کے اِقدامات کیوں نہیں کیے گئے؟ جواب کے لیے درج ذیل نکات پر توجہ فرمایئے!

۱- ایسے معاملات جو صرف مسلمانوں سے متعلق تھے، ان کے بارے میں اسلام نے بہ راہِ راست احکامات نازل کیے اور ضروری اِصلاحات کیں، تاہم غیروں کے یہاں بھی لوگ غلام بنائے جاتے تھے۔

۲- اگر غلامی ناجائز قرار دے دی جاتی، تو میدانِ جنگ میں غیر مسلموں کا حوصلہ یہ سوچ کر بلند ہوجاتا کہ ہم تو مسلمان قیدیوں کو غلام بنائیں گے، لیکن مسلمان ہمارے قیدیوں کو غلام بنانے سے قاصر رہیں گے۔ اس طرح اُنھیں دوسروں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر برانگیختہ کرنے کے بہترین مواقع ہاتھ آجاتے۔

۳- غلامی ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اِنسانوں کی خرید و فروخت ناجائز ہوجائے۔ تصور کیجیے کہ جب غلاموں کی خرید و فروخت ہی ناجائز ہوجائے، تو وہ غلام جو دوسروں کی تحویل میں ہیں، انہیں اہل ثروت و دولت کس طرح آزاد کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے؟

۴- قدیم رواج کے زیرِ اثر کچھ مسلمانوں نے بھی غلام خرید رکھے تھے۔ چناں چہ غلامی کے ناجائز ہوتے ہی اصحابِ دولت کے ساتھ ساتھ، متوسط طبقات پر بھی یہ لازم ہوجاتا کہ وہ بھی اپنے غلام یوں ہی آزاد کردیں اور اس طرح وہ معاشی تنگی کا شکار ہوجاتے۔ لہٰذا رسمِ غلامی عارضی طور پر باقی رکھی گئی تا کہ اہل ثروت و دولت مناسب قیمت دے کر ان سے غلام خرید سکیں اور آزاد کریں۔

۵- چوں کہ اسلامی شریعت قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ آنے والے مستقبل میں کفار و مشرکین دوبارہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنانے لگیں، تو ظاہر ہے کہ ان پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے ہمیں بھی غیر مسلم قیدیوں کو غلام بنانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے ان پر رعب و دبدبہ برقرار رکھنے کے لیے رسمِ غلامی کو بہ طور ہتھیار باقی رکھا۔

۶- یہ حقیقت ہے کہ اِسلام نے غلامی کو ممنوع نہیں قرار دیا، اس کے باوجود عالمِ اسلام سے غلامی پوری طرح ختم ہوگئی۔ اس لیے یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ غلامی کو یک لخت ختم نہ کرنے سے زمینی نتائج پر کوئی منفی فرق نہیں پڑا، بل کہ یہ کہنا حقیقت کی صحیح ترجمانی ہے کہ غلامی کو ناجائز نہ قرار دے کر قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ جب بھی کہیں کوئی انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آئے، تو آگے بڑھ کر اسے خرید لو اور حسنِ سلوک کرتے ہوئے آزاد کردو۔

۷- یک لخت غلامی ختم کردی جاتی، تو لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو یوں ہی آزاد کرنا پڑتا اور بہت ممکن تھا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوجاتے۔ اس لیے جنگ و جدال، قتل و خون اور مقابلہ آرائی کو کسی طرح محدود کرنے کے لیے غلامی باقی رکھی گئی۔

۸- پچھلے صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اِسلام نے غلاموں کی آزادی پر زور دیا۔ اب جب کہ دنیا سے رسمِ غلامی پوری طرح ختم ہوچکی ہے اور اسلام دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ حسنِ سلوک، انسانیت اور مروّت کی باتیں کرتا ہے، اِس لیے اب مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ انسانوں کو غلام بنائیں گے۔

ایک اہم وصیت:

آپ اِتفاق کریں گے کہ انسان اپنے آخری لحات میں جس معاملے کو فراموش نہ کرے، وہ بلاشبہ اس کے نزدیک اہم ترین اُمور میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری لمحے کی وصیت نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس تمہید بسیط کے بعد ظاہری حیاتِ طیبہ سے رُخصت ہوتے ہوئے سرکار دوعالم ﷺ کی پاکیزہ زبان پر جاری رہنے والے کلمات پر کان دھریے:

”کان آخر کلام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: الصلٰوۃ الصلٰوۃ، اتقوا اللّٰہ فیما ملکت ایمانکم...“ [1]

”رسول اللہ ﷺ کی آخری بات تھی: نماز، نماز، اللہ سے ڈرتے رہو ان کے معاملات میں، جو تمھارے قبضہ میں ہیں....“

ہوسکے تو عالم تصورات میں زیر بحث موضوع پر ہونے والے ساری گفت گو ایک طرف رکھیے اور یہ عظیم وصیت ایک طرف رکھیے، پھر ایک سرسری موازنہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ متذکرہ وصیت ماسبق سارے دلائل، براہین اور بحث ومباحثہ پر بھاری رہے گی اور رسم غلامی کے حوالے سے اسلامی نقطہ نگاہ، ان لوگوں کے لیے آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہوجائے گا، جو حقانیت، صداقت اور واقعیت کے آگے ہمیشہ سرتسلیم خم کردیتے ہیں۔

OOO

[1] ابوداؤد، ج:۱۴، ص:۶۴

پانچ ویں جھلک:

معاشیات

بہتر معاشی مستقبل کی تلاش ہر اِنسان کا پیدائشی حق ہے، تاکہ وہ ایک پُرسکون، اِطمینان بخش اور پُرلطف زندگی گزار سکے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ معاشی اِعتبار سے مستحکم ہونے کی راہ سرتاسر عدل واِنصاف پر مبنی ہونی چاہیے۔ اِس لیے کہ اپنے مفاد کے خاطر دوسروں پر زیادتی کرنے کی اِجازت کسی طور نہیں دی جاسکتی، خواہ یہ ظلم و زیادتی بہ زورِ طاقت وقوت ہو، یا مہذب دنیا میں بنائے گئے غریبوں، مساکین اور متوسطین کے خون چوسنے والے ضوابط وقوانین کے خوب صورت غلاف کے پیچھے ہو، زیادتی بہ ہر کیف زیادتی ہے، جو قابل مذمت بھی ہے اور قابل نفرت وبغاوت بھی۔

اب آیئے، پوری غیر جانب داری کے ساتھ، ہم معاشی مسائل کے حل کے لیے عصری نظام اِقتصادیات کو اِسلامی ہدایت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کاروبارِ مشارکت

پرانے زمانے میں لوگ اپنے احباب، رشتہ دار اور متعلقین کے ساتھ مشترکہ تجارت کیا کرتے تھے، تاہم عصر حاضر میں یہ طریقۂ تجارت صرف اپنوں کے درمیان تک ہی محدود نہیں، بل کہ ایسے غیروں کے ساتھ بھی جاری ہے، جن کی نہ آپس میں کبھی ملاقات ہوئی ہے، نہ بات چیت ہوئی ہے اور نہ دور دور سے کوئی باہمی رشتہ واُلفت ہی ہے، بل کہ ایسا بھی ہورہا ہے کہ کمپنی ایک ملک میں قائم ہے اور دوسرے ملک میں بیٹھے ہوئے لوگ اپنے روپے لگا کر تجارت میں شرکت کررہے ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کاروبار مشارکت نے

پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ عوامی اِعتماد اور عالمی ترقی حاصل کرلی ہے۔ اس طریقۂ تجارت کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کے ہر بڑے شہر میں شیئر بازار کی جلی سرخیوں کے ساتھ بڑی بڑی فلک بوس عمارتیں بنی ہوئی ہیں، جہاں تجارت پیشہ افراد بیٹھ کر ساری دنیا میں چلنے والی کمپنیوں کے نشیب وفراز پر نگاہ رکھتے ہیں۔ جیسے جیسے کمپنی کی مصنوعات عوام میں مقبولیت حاصل کرتے جاتے ہیں اور منافع میں اِضافہ ہوتا جاتا ہے، ویسے ویسے کمپنی کے جاری کردہ شیئر کی قیمت بڑھتی جاتی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ متذکرہ موضوع کے حوالے سے چند مروّجہ اِصطلاحات کی تشریح مختصر الفاظ میں کردی جائے:

Stock (اسٹاک):

بڑی بڑی کمپنیاں اپنا کچھ حصہ عوام کو فروخت کرتی ہیں، جنھیں اسٹاک کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کمپنی دو لاکھ اسٹاک فروخت کرنے کے لیے شیئر بازار میں پیش کررہی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ متذکرہ کمپنی غیر مرئی طور پر دو لاکھ حصوں میں تقسیم ہوچکی ہے۔ اب جو شخص جتنے اسٹاک خریدلے، وہ اسی تناسب سے کمپنی کی ملکیت میں حصہ دار ہوجاتا ہے۔ اسے کمپنی کے امور میں ووٹ دینے کا حق بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے اسٹاک کے تناسب سے کمپنی کے منافع میں شریک بھی ہوجاتا ہے۔

Dividend (متناسب منافع):

اسٹاک پر ہونے والا منافع ڈویڈینڈ کہلاتا ہے۔ زیادہ تر کمپنیاں اسٹاک خریدنے والے کو ڈویڈینڈ کی صورت میں رقم ادا نہیں کرتیں اور نہ ہی وہ قانونی اِعتبار سے اس کے لیے پابند ہوتی ہیں۔ لہٰذا بہ وقت ضرورت اسٹاک کو شیئر بازار میں فروخت کرکے اپنی لائی ہوئی رقم حاصل کی جاتی ہے۔

Mutual Fund (مشترکہ سرمایہ کاری):

کچھ کمپنیاں عوام سے رقم حاصل کرتی ہیں اور اس سے Stock, Bond وغیرہ

خریدتی ہیں، جنھیں مشترکہ سرمایہ کاری کہا جاتا ہے۔ سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل شدہ منافع سرمایہ کار اور کمپنی کے درمیان باہمی معاہدہ کے تحت تقسیم کردیا جاتا ہے۔

Bond (سند ضمانت):

بسا اوقات حکومتیں اور کمپنیاں اپنے ترقیاتی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قرض کا سہارا لیتی ہیں، تاہم یہ قرض اس قدر بڑا ہوتا ہے کہ دنیا کے اچھے اچھے بینک بھی ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، لہٰذا وہ عوام سے رقم حاصل کرنے کے لیے اپنے بانڈ فروخت کرتی ہیں۔ طے شدہ معاہدہ کے مطابق، ہر سال یا چھ ماہ پر، متعینہ منافع بانڈ کے مالک کو ادا کیا جاتا ہے۔

کاروبار مشارکت کے حوالے سے مذکورہ بالا تمہیدی بیان میں جو بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ کمپنیاں عام طور پر اپنے شراکت داروں کو روپے کی صورت میں منافع ادا نہیں کرتی ہیں، بل کہ کمپنی کو ہونے والے منافع کی وجہ سے غیر مرئی طور پر اسٹاک مزید قیمتی سمجھ لیا جاتا ہے۔ اب اگر اسٹاک کا مالک بہ وقت ضرورت کاروبار مشارکت کے منافع سے لطف اندوز ہونا چاہے، تو وہ اپنے اسٹاک کو بازارِ حصص میں فروخت کرنے کے لیے پیش کردیتا ہے۔ اس طرح جب اسٹاک دوسرے خریدار کے ذریعہ اضافی قیمت پر خریدلیا جاتا ہے، تو پہلا خریدار کسی قدر مالی منفعت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ کمپنی ایک بار اپنے حصص فروخت کرکے جو رقم جمع کرلیتی ہے، اسے شراکت داروں تک واپس کرنے سے کسی حد تک بے نیاز ہوجاتی ہے۔ اور کاروبار شراکت کا یہی منفی کردار حقیقت میں فریب، دھوکہ دہی اور جعل سازی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ یقین نہیں آتا تو کاروباری دنیا میں ہونے والی چند تاریخی دھاندلیوں کا تذکرہ سن لیجیے:

ستیم کمپیوٹر سروس:

۲۴؍ جون ۱۹۸۷ء میں دو بھائیوں؛ **B. Ramalinga Raju** اور **B.Rama Raju** نے مل کر **Satyam Computer Services** کی بنیاد ڈالی۔ عمدہ خدمات، قابل ستائش پالیسی اور ان تھک جدوجہد سے یہ کمپنی جلد ہی عالمی سطح پر اپنا

ایک بہت نمایاں مقام بنانے میں کام یاب ہوگئی۔ دنیا کی بڑی بڑی مشہور و معروف کمپنیاں ستیم کمپیوٹر کی خدمات حاصل کرنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے تقریباً ۶۶ ممالک میں ۵۳۰۰۰ ہزار ملازم شب و روز کمپنی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف رہنے لگے۔

عالمی سطح پر کمپنی کی مقبولیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۷ء میں **World Economic Forum** نے ستیم کمپیوٹر سروسز کو ہندوستان کی سب سے تیزی سے ترقی کرنے والی کمپنی قرار دیا۔ **Dataquest** نے رامالنگا راجو کو اِعزازی سند سے نوازتے ہوئے **IT Man of 2000** قرار دیا۔ ۲۰۰۵ء میں متذکرہ کمپنی سرمایہ کاروں کے ہونے والے عالمی سروے کے ذریعہ دنیا میں تیسرا مقام حاصل کرنے میں نمایاں طور پر کام یاب ہوئی۔

کوئی شک نہیں کہ ستیم کمپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ عروج و ترقی کی جانب محوِ پرواز تھی کہ ۱۶ر دسمبر ۲۰۰۸ء میں کمپنی کے چیئرمین رامالنگا راجو نے ایک نہایت ہی غیر متوقع بیان دیتے ہوئے اِعلان کیا کہ وہ اپنے سرمایہ کاروں کے بہتر منافع کے لیے ۶ء۱ر بلین ڈالر کی لاگت سے دو بڑی کمپنیاں؛ **Maytas Infrastructures Ltd** اور **Maytas Properties Ltd** خرید رہے ہیں۔ واضح رہے کہ متذکرہ دونوں کمپنیاں ان کے اپنے خاندان کی ملکیت تھیں۔ یہ اِقدام سرمایہ کاروں کے لیے حیران کن بھی تھا اور مشکوک بھی، لہٰذا وہ ستیم کمپنی کے خریدے ہوئے اسٹاک تیزی سے فروخت کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسٹاک کی قیمت نصف سے بھی کم ہوگئی۔ اسی دوران ورلڈ بینک نے منافع کے حوالے سے فریب دہی کا اِلزام لگاتے ہوئے کمپنی کے ساتھ آٹھ سالوں تک معاملات کرنے پر پابندی عائد کردی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چیئرمین رامالنگا راجو نے ۷ر جنوری ۲۰۰۹ء میں اِجمالی طور پر ۸۰۰ء۷ ہزار کروڑ روپیے کے فریب دہی کا اِعتراف کرتے ہوئے اپنے عہدہ سے اِستعفا دے دیا۔ اسی کے ساتھ حکومت ہند کی متعلقہ وزارت حرکت میں آگئی اور پورے معاملہ کی اصلیت بے نقاب کرنے کے لیے باقاعدہ انکوائری کمیشن کی تشکیل عمل میں آئی۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ تجارتی دنیا میں یہ معاملہ اس قدر اہم سمجھا گیا کہ اس کی

تفتیش کی ذمہ داری **Serious Fraud Investigation Office (SFIO)** کے حوالے کیا گیا، جس نے ۱۳ر اپریل ۲۰۰۹ء میں ۲۹ جلدوں پر مشتمل ۱۴ر ہزار صفحات میں اپنی تفصیلی رپورٹ دنیا کے سامنے پیش کی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ رامالنگا راجو نے دوران تفتیش حکومتی اِدارہ **SEBI** کو ایک اِعترافی خط روانہ کیا، جس میں قدرے تفصیل کے ساتھ فریب دہی کی وضاحت تحریر تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ۳۰ر ستمبر ۲۰۰۸ء میں تحویل بینک کے مد میں ۶۲ء۵۳۱۲ کروڑ دکھایا گیا تھا، جو کہ حقیقت میں ۶۲ء۲۷۲ تھا۔ اسی طرح کمپنی کے فکسڈ ڈپوزٹ پر ملنے والے منافع سود کی رقم ۳۷۶ کروڑ بتایا گیا تھا، جو حقیقت بھی صفر تھا۔ کمپنی کے ذمہ واجب الادا صرف ۸۰ء۲۲۳۴ کروڑ دکھایا گیا تھا، جو حقیقت میں ۸۰ء۱۴۶۴ر کروڑ تھا۔ ❶

آپ ملاحظہ کررہے ہیں کہ کمپنی اپنے آپ کو مستحکم، پائیدار اور کثیر المنافع ثابت کرنے کے لیے کس قدر کذب بیانی کررہی ہے؟ تحویل بینک سے لے کر واجب الادا رقم، فکسڈ ڈپوزٹ پر سود اور کاروبار کے حقیقی منافع کے حوالے سے بے بنیاد اِطلاعات دینے کے پیچھے جو مقصد ہے، وہ صرف یہی ہے کہ اس طرح لوگ زیادہ سے زیادہ قیمت پر کمپنی کے اسٹاک خریدیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس طرح کمپنی، حقیقت میں نہیں، بل کہ صرف کاغذ میں بڑی سے بڑی ہوتی چلی جاتی ہے۔ کاش کمپنی کے سالانہ منافع کو رقم کی صورت میں سارے سرمایہ کاروں کے درمیان تقسیم کرنے کی پالیسی اپنائی جاتی، تو ذمہ داروں کی کسی بھی سطح پر تضادات بیانی کا پردہ کمپنی کے اِقتصادی سال کے اِختتام پر ضرور چاک ہوجاتا اور لوگ اپنی گاڑھی کمائی برباد کرنے سے محفوظ ہوجاتے، تاہم عصر حاضر میں کاروبار مشارکت کے زمینی حقائق پوشیدہ رہنے کی وجہ سے آئے دن اچھے اچھے ہوش یار، ذی شعور اور بالغ نظر سرمایہ کار بھی اپنے آپ کو لٹنے سے نہیں بچاپاتے۔

---

❶ ستیم کے حوالے سے ساری معلومات پروفیسر جے۔ پی۔ شرما شعبۂ معاشیات دہلی یونی ورسٹی کے تحقیقی مقالے (**What went wrong with Satyam?**) سے ماخوذ ہے

انرون (Enron):

kenneth Lay نے ۱۹۸۵ء میں ہیوسٹن نیچرل گیس اور انٹرنارتھ نامی کمپنیوں کی شمولیت سے انرون کمپنی قائم کی۔ ۱۹۹۰ء میں کمپنی نے بازار کی مروّجہ قیمت پر بجلی فروخت کرنے کا آغاز کیا، تاہم جلد ہی امریکی سینیٹ نے بجلی فروخت کرنے کی اجازت سے متعلق اپنے سابقہ قانون کو منسوخ کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انرون کو بازار میں گراں قیمت پر گیس فروخت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح صرف دو سالوں کے اندر انرون نے امریکہ کی سب سے بڑی گیس فروخت کرنے والی کمپنی کا اِعزاز حاصل کرلیا۔ کہتے ہیں کہ ۱۹۹۶ء میں کمپنی کا منافع ۱۳٫۳ر بلین ڈالر تھا، جو ۲۰۰۰ء میں بڑھ کر ۱۰۰٫۸ر بلین ڈالر تک جا پہنچا۔ اس طرح صرف چار سالوں میں کمپنی کے منافع میں ۷۵۰٪ کا ریکارڈ توڑ اِضافہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی کمپنی اس قدر منافع بخش ہوجائے، تو وہ سرمایہ کاروں کے لیے نہایت ہی پُرکشش، قابلِ اِعتماد اور مستحکم سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان کمپنی کے اسٹاک میں ۳۱۱٪ر کا محیر العقول اضافہ دیکھنے میں آیا۔

کمپنی نہایت ہی عیاری کے ساتھ اپنے اسٹاک کو قیمتی بنائے رکھنے میں کام یاب تھی کہ اسی دوران حساب و کتاب پر گہری نگاہ رکھنے والے مہارت یافتہ، دور اندیش اور تجربہ کار افراد نے انرون کے طریقۂ کار پر شک وشبہہ کا اِظہار کردیا۔ مثال کے طور پر ۵ر مارچ ۲۰۰۱ء میں **Bethany Maclean** نے **Fortune** میں ایک طویل مضمون بہ نام **"Is Enron overpriced?"** لکھا اور اسٹاک کی گراں قیمت بنائے رکھنے کے لیے انرون کے ذریعہ شائع ہونے والے حساب و کتاب پر اپنی گہری تشویش ظاہر کی۔ قصہ مختصر یہ کہ صرف چند مہینوں انرون کے اسٹاک کی قیمت ۹۰ ڈالر سے گھٹ کر صرف ۶۱ سینٹ یعنی ایک ڈالر سے بھی کم ہوگئی۔

اِسی دوران کمپنی نے اِعترافِ حقیقت کرتے ہوئے جو چشم کشا بیان دیا، وہ پڑھنے کے قابل ہے کہ متذکرہ قصہ کا یہی حصہ میرے موضوعِ سخن سے متعلق ہے:

"......to fuel its growth, it had shifted billions of dollars in debt off its balance sheet." [1]

''......اپنی ترقی کو تقویت پہنچانے کے لیے، قرض کے کئی بلین ڈالر حساب و کتاب سے غائب کردیے گئے۔''

کمپنی کے دانستہ مجرمانہ اِقدامات کی تفتیش کرنے والا حکومتی ادارہ **S. E. C** یعنی **U.S. Securities and Exchange Commission** کی اِیما پر جب انرون نے سابقہ پانچ سال کا دوبارہ حساب و کتاب پیش کیا، تو اِنتہائی افسوس ناک اِنکشاف ہوا کہ جس سے کمپنی کے ذریعہ ظاہر کیے گئے سابقہ ۶۰۰ ملین ڈالر کی خطیر رقم سرے سے غائب ہوگئی۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ انرون کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دینے کے لیے جب **Dynegy** نامی کمپنی نے اسے ۶ بلین ڈالر نیز اس پر واجب الادا ممکنہ قرضہ ۱۳ر بلین ڈالر، کے عوض خریدنے میں دل چسپی ظاہر کی، تو معلوم ہوا کہ انرون اس سے کہیں زیادہ رقم کی مقروض ہے۔ [2]

آپ ماتھے کی آنکھ سے ملاحظہ کررہے ہیں کہ کاروبار مشارکت کے مروّجہ ناقص طریقہ کار کے سہارے ۱۹۸۰ء میں قائم ہونے والی ایک چھوٹی سی گیس پائپ لائن کمپنی جلد ہی دُنیا کی سب سے بڑی گیس کمپنی کا اِعزاز حاصل کرلیتی ہے، تاہم حساب و کتاب کی بے ضابطگی کے اِنکشافات کے بعد لاکھوں شیئر ہولڈرس کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا کر دم توڑ

---

[1] ***"Enron Collapes as suitor cancels plan for Richard A. merger: Oppel Jr and Andrew Ross Sorkin, New York Time, Nov 29, 2001***

[2] انرون سے متعلق زیادہ تر معلومات متذکرہ مضمون اور مندرجہ ذیل کتاب سے ماخوذ ہیں:
ENRON AND THE DARK SIDE OF SHAREHOLDER VALUE, By William Wilson Bratton, Institute for Law and Economics, University of Pennsylvania Law School

دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ انرون نے جب ۶۳ء۴ بلین ڈالر کے اثاثہ کے ساتھ اپنے دیوالیہ ہونے کا اِعلان کیا، تو وہ اثاثہ کے اِعتبار سے امریکی تاریخ میں دیوالیہ ہونے والی اس وقت تک سب سے بڑی کمپنی تھی۔

:HealthSouth Corporation

ہیلتھ ساؤتھ کارپوریشن ہسپتال میں داخل نہ کیے جانے والے خارجی مریضوں کے آپریشن، تشخیص امراض اور بحالی صحت کی خدمات انجام دینے والی امریکہ کی سب سے بڑی کمپنی رہی ہے۔ اس کے چیئرمین **Richard M. Scrushy** نے اپنی کمپنی کے واقعی منافع کو دانستہ طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ جب مشکوک اِقدامات ظہور پذیر ہوئے تو **Securities and Exchange Commission** نے تفتیش شروع کر دی۔

کمیشن کی یہ رپورٹ پڑھیے:

"The Commission's complaint alleges that since 1999, at the insistence of Scrushy, HRC systematically overstated its earnings by at least $1.4 billion in order to meet or exceed Wall Street earnings expectations." ❶

''کمیشن کے شکایت کنندہ نے اِلزام عائد کیا کہ ۱۹۹۹ء سے کمپنی کے سربراہ اسکروشی کی ہدایت پر ہیلتھ ساؤتھ کارپوریشن نے باضابطہ طور پر اپنے منافع کو کم از کم ۱ء۴ ارب بلین ڈالر بڑھا کر پیش کیا، تاکہ **Wall Street** کے متوقع منافع تک یا تو پہنچ سکے یا اس میں اِضافہ کر دے۔''

ملاحظہ کیجیے کہ حساب و کتاب میں فرضی اِضافہ کے پیچھے جو مقصد کارفرما ہے، وہ یہی ہے کہ اپنے سرمایہ کاروں کو خوش فہمی میں رکھ کر کمپنی کے اسٹاک کی قیمت بڑھائی جا سکے۔

---

❶ **Securities and Exchange Commission Litigation Release No. 18044 / March 20, 2003**

ظاہر ہے کہ جب لوگ کمپنی کے اسٹاک کو بھاری قیمت دے کر خریدیں گے، تو فائدہ بالواسطہ کمپنی تک پہنچ ہی جائے گا۔

کس قدر قساوتِ قلبی ہے کہ بڑی کمپنیوں کے حساب و کتاب میں دانستہ اِضافہ کے اِقدامات صرف دوسرے ہی نہیں کر رہے ہیں، بل کہ ایک ایسی کمپنی بھی اِس جرم میں شریک ہے، جو خدمت اِنسانیت کے حوالے سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ ہیلتھ ساؤتھ کارپوریشن کے ذمہ داروں کو یہ خیال تک نہیں آیا کہ حساب و کتاب میں فرضی اِضافہ کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کی وجہ سے بہتیرے سرمایہ کار کہیں خدمت انسانیت کی عظیم ذمہ داری نبھانے والے اِداروں سے ہی برگشتہ نہ ہو جائیں۔

ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہوسِ زر نے اِنسان سے لباسِ اِنسانیت کھینچ کر اسے تارتار کر دیا ہے اور اشرف المخلوقات ہونے کا زرّیں تاج پارہ پارہ ہو کر رہ گیا ہے۔

کاروبار مشارکت کے حوالے سے ہونے والے فریب، دھوکہ اور لوٹ کھسوٹ کی یہی چند مثالیں نہیں ہیں، بل کہ ہر ملک میں ایسے واقعات کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ چوں کہ مدعائے سخن صرف اس قدر تھا کہ عصر حاضر میں مروّجہ کاروبار مشارکت کی ایک افسوس ناک حقیقت دکھا دی جائے، اس لیے انھی تین واردات پر یہ سلسلہ ختم کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

کاروبارِ مشارکت اِسلام کے سائے میں

اِسلامی شریعت میں جس طرح اِنفرادی تجارت قابل ستائش ہے، ٹھیک اسی طرح کاروبار مشارکت کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، بل کہ اسے مزید اُستوار، مضبوط اور قوانین وضوابط کے ذریعہ مہذب کرنے کی کام یاب کوشش بھی کی گئی ہے۔

ویسے تو چاروں فقہی مذاہب کے فقہائے کرام نے شراکت داری کے حوالے سے نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ قیمتی معلومات فراہم کی ہیں، تاہم زیر بحث موضوع پر غیر ضروری طوالت سے اِجتناب کرتے ہوئے، ہم صرف فقہ حنفی کے پس منظر میں گفت گو کریں گے، تاکہ مقصودِ اصلی نظروں سے اوجھل نہ ہو پائے۔

اقسام شراکت داری:

امام ابوالحسین احمد بن محمد القدوری اپنی مختصر میں لکھتے ہیں کہ شراکت داری کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: [1]

شراکت املاک (چیزوں میں شرکت کرنا)

شراکت عقود (معاہدہ کے ذریعہ شرکت کرنا)

پھر شراکت عقود چار صورتوں میں ہوسکتا ہے:

۱- مفاوضہ

۲- عنان

۳- صنائع

۴- وجوہ

شرکت املاک:

جب دو یا دو سے زیادہ اشخاص کسی چیز کو مشترکہ طور پر خریدیں یا مشترکہ طور پر وارث ہو جائیں، تو کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مشترکہ ملکیت کے باوجود، تصرف کے پس منظر میں دونوں ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی ہیں۔

شرکت مفاوضہ:

شرکت مفاوضہ باہمی مفاہمت اور معاہدہ کے تحت وجود میں آتا ہے، جس میں دونوں کو یکساں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، دونوں یکساں مال لگاتے ہیں اور کمپنی پر آنے والے قرضہ کے ذمہ دار بھی دونوں ہوتے ہیں۔ اس میں دونوں کو ایک دوسرے کے لیے وکیل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، ساتھ ساتھ دونوں ایک دوسرے کے اقدامات کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی ایک دوسرے کے لیے وکیل بن کر کوئی چیز خرید سکتا ہے اور

[1] دیکھیے: قدوری، ص: ۳۷۵-۳۶۸، مکتبۃ البشریٰ، پاکستان، ۲۰۱۱ء

ساتھ ہی ساتھ قیمت کی عدم ادائیگی کی صورت میں بیچنے والا دوسرے سے رقم کا مطالبہ بھی کرسکتا ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے لیے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی۔

شرکت عنان:

اس باہمی معاہدہ میں دونوں کا مال برابر ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا شرکت عنان میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کا مال برابر نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ برابر ہو، تاہم یہ ممکن ہے کہ منافع میں برابری نہ ہو۔ جیسے دونوں میں سے کوئی کسی کام میں نہایت ماہر ہے، جب کہ دوسرا اس قدر مہارت نہیں رکھتا، اس لیے مہارت رکھنے والے کو زیادہ منافع لینا جائز ہے۔

یہ صرف وکالت ہی سے منعقد ہوسکتا ہے' کفالت سے نہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اِقدامات کے لیے وکیل تو ہوتے ہیں، تاہم آپس میں ایک دوسرے کے کفیل نہیں ہوتے ہیں۔

شرکت صنائع:

شرکت صنائع میں معاہدہ کے ذریعہ بعض کام کرنے والے کسی کام میں شریک ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دو سلائی کرنے والے آپس میں معاہدہ کرلیں کہ وہ جو کام بھی لائیں گے، اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ لہٰذا اگر کسی ایک نے کوئی کام اپنی ذمہ داری پر لے لیا ہے، تو دوسرے پر بھی اس کی پاسداری لازمی ہوگی، تاہم اگر کسی ایک نے سلائی کی اور دوسرے نے سلائی میں شرکت نہیں کی ہے، جب بھی وہ معاہدہ کی رو سے منافع میں شریک رہے گا اور منافع دونوں کے درمیاں یکساں تقسیم کیا جائے گا۔

شرکت وجوہ:

جب دو لوگ باہمی معاہدہ کے ذریعہ کسی کام میں شریک ہو جائیں اور دونوں کے پاس سرمایہ نہ ہو، تو اسے شرکت وجوہ کہتے ہیں، یعنی اپنی وجاہت کی بنیاد پر شرکت تجارت۔ جیسے دو اشخاص اپنے مقام و مرتبہ، حسن تعلقات اور صاف ستھرے معاملات کی وجہ سے کوئی سامان کسی تاجر کے پاس سے اُدھار حاصل کرلیں اور اسے فروخت کریں، تو دونوں منافع

میں شریک رہیں گے، تاہم یہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے مطابق، ایک دوسرے سے زیادہ منافع لے۔ وہ اس طرح کہ یوں کہے کہ یہ چیز جو میں خرید رہا ہوں، اس میں تمہارا آدھا نہیں بل کہ تیسرا حصہ ہوگا، تو پھر وہ منافع میں تیسرے حصہ کا ہی حق دار ٹھہرے گا۔ اس میں دونوں ایک دوسرے کے لیے وکیل ہوں گے۔

شرکت مضاربت:

شراکت داری کی ان قسموں کا تذکرہ گزر چکا، جن میں دونوں افراد تجارت میں عملی طور پر خود حصہ لیتے ہیں، تاہم شرکت مضاربت ان سے مختلف ہے۔ اس میں ایک شخص اپنا سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا شخص اس کی اجازت سے کاروبار کرتا ہے اور طے شدہ معاہدہ کے تحت منافع آپس میں تقسیم کرلیا جاتا ہے۔

یہاں ''مضارب'' سے مراد شرکت کرنے والا شخص ہے۔

''راس المال'' سے مراد سرمایہ ہے، جو تجارت میں لگایا جا رہا ہے۔

''رب المال'' سے مراد سرمایہ کاری کرنے والا شخص ہے۔

چوں کہ یہی قسم زیر بحث موضوع سے قریب تر ہے، اس لیے قدرے تفصیل سے ہم اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے، تاکہ اسلامی شراکت داری اور عہد جدید کی مروّجہ شیئر بازاری کے درمیان تقابلی خطوط کھینچے جاسکیں۔

اقسام مضاربت:

مضاربت کی دو قسمیں ہیں:

مضاربت مطلقہ (مطلق مضاربت)

مضاربت مقیدہ (مشروط مضاربت)

اس طرح اگر مضاربت میں مقامِ تجارت، نوعِ تجارت، وقتِ تجارت اور معین اشخاص کے ساتھ معاملات کرنے کی شرائط عائد کردی جائیں، تو یہ ''مشروط مضاربت'' کہلائے گی، ورنہ اسے ''مطلق مضاربت'' سے تعبیر کیا جائے گا۔ (1)

(1) دیکھیے: الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۴، ص:۸۴۰

شرائط مضاربت:

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ شریعت اسلامیہ بنیادی طور پر حسن معاشرت، صفائی معاملات اور باہمی تعلقات پر زور دیتی ہے، اس لیے مضاربت کے حوالے سے پہلے ہی ایسی شرطیں عائد کردیتی ہے کہ جن سے نزاعی کیفیت پیدا نہ ہوسکے۔ اس پس منظر میں شرائط مضاربت ملاحظہ فرمائیے:

۱- سرمایہ، بازار میں چلنے والی کرنسی کی صورت میں ہو۔

۲- سرمایہ کی واضح تعیین ہو۔

۴- سرمایہ نقد کی صورت میں سامنے موجود ہو۔

۳- سرمایہ، مضارب کی تحویل میں مکمل طور سے دے دیا جائے۔

۴- تقسیم منافع کے ضابطے وضاحت کے ساتھ طے کرلیے جائیں۔

۵- مضارب کے لیے نفع دینا شرط ہو، لہٰذا اگر راس المال میں سے کچھ دینا شرط کیا گیا یا راس المال اور نفع دونوں میں سے دینا شرط کیا گیا، تو شرکت مضاربت فاسد ہوجائے گی۔ (1)

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شراکت داری کے ممکنہ جائز اقسام سے متعارف ہونے کے بعد، پورے وثوق کے ساتھ یہ کہنا چاہیے کہ اسلام نے وہ دروازے ہی سرے سے بند کردیے ہیں، جن سے جھوٹ، فریب اور دھوکہ باہمی معاملات میں داخل ہوکر شرکائے تجارت کو نقصانات پہنچاسکیں۔

عمومی طور پر دھوکہ وفریب کی بیخ کنی کرتے ہوئے، سرکار دوعالم ﷺ بڑے ہی نپے تلے الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''لا ضرر و لا ضرار'' (2)

''نہ خود نقصان اُٹھاؤ اور نہ ہی دوسرے کو نقصان پہنچاؤ!''

(1) دیکھیے: بہار شریعت، ج:۱۴، ص:۵-۲

(2) مؤطا امام مالک، ج:۴، ص:۳۱

خدارا غیر جانب داری کے ساتھ غور کیجیے اور اپنے ضمیر کی آواز سننے کے لیے تیار رہیے۔ کیا معاملات میں صفائی، عدل و انصاف اور دیانت داری کے جملہ محاسن متذکرہ حدیث کے مختصر اور جامع الفاظ میں نہیں آگئے ہیں؟ شرکاے تجارت باہمی رضامندی سے منافع کی تقسیم آپس میں کرتے رہیں، تو نہ وہ خود اپنے آپ کو نقصان کے حوالے کریں گے اور نہ ہی دوسروں کو نقصان میں ڈالیں گے۔

اب ذرا واپس پلٹیے اور عصر حاضر کی مروّجہ شراکت داری میں متعلقہ کمپنی کے سربراہوں کی مراعات، تنخواہوں اور عیش وعشرت بھری زندگی کا سراغ لگائیں۔ مجھے یقین ہے کہ پردۂ سماعت تصدیق کرنے کی ہمت نہ جٹا پائے گا، ایوانِ فکر ونظر کی بنیادیں ہل جائیں گی اور قلبِ مضطر کی دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہوں گی، لیکن کیا کریں کہ یہی صدفی صد زمینی حقائق ہیں اور یہی ہو بہ ہو واقعات ہیں۔

یہ دیکھیے، Face Book کے مالک Mark Zuckerberg نے ۲۰۱۲ء میں یومیہ چھ ملین ڈالر کے حساب سے سال میں ۲.۲۷ بلین ڈالر لیے ہیں۔ اسی طرح Kinder Morgan کے سربراہ Richard Kinder نے ۲۰۱۲ء میں ۱.۲ ار بلین ڈالر لیے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مراعات لینے والے چوٹی کے دس سربراہوں نے ۴.۷ بلین ڈالر سے زائد تنخواہیں لی ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ رقم دنیا کے بیسیوں ممالک کے جملہ بجٹ سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ❶

موضوع کے اِختتام پر ایک ایمان افروز حدیث پاک سن لیجیے، جو اِسلامی فلسفۂ سرمایہ کاری کو عصر حاضر کی مروّجہ شیئر بازاری سے نہایت ہی ممتاز کر دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اللہ رب العزت اِرشاد فرماتا ہے:

"انا ثالث الشریکین ما لم یخن احدھما صاحبہ، فاذا خانہ خرجت من بینھم" ❷

❶ دیکھیے: The Guardian, New York, 22 Oct, 2013

❷ ابوداود، ج:۹، ص:۲۳۶

"دو شرکاے تجارت کے درمیان، میں خود اس وقت تک تیسرا بنا رہتا ہوں، جب تک کہ ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، پھر جب وہ خیانت کرتا ہے، تو میں ان کے درمیان سے الگ ہو جاتا ہوں۔"

ایک دوسری روایت میں یہی حدیث کچھ اس طرح ہے کہ میرا دست رحمت اُس وقت تک دونوں شرکاے تجارت پر سایہ فگن رہتا ہے، جب تک کہ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے۔ ❶

اِیمان ویقین کی گہرائی سے یہ آواز نکل رہی ہے کہ جس تجارت میں خداے رحیم وکریم شریک ہو جائے، وہ شرکاے تجارت کے لیے بلاشبہ باعث خیر وبرکت بھی ہے، سبب نفع و سود مندی بھی ہے اور ضمانت ترقی وعروج بھی۔

سود

عصر حاضر کی تجارتی دنیا کے لیے سودی لین دین غیر مانوس نہیں ہے، بل کہ یوں کہہ لیں کہ اب سود دھیرے دھیرے صنعت وحرفت، خرید وفروخت اور تجارت کے لیے لازمی جز کی صورت اِختیار کرتا جا رہا ہے۔ پہلے سود کا دائرۂ کار بڑے بڑے تجارتی مراکز اور بھاری بھرکم سودے تک محدود تھا، تاہم اب تو علاقائی چھوٹی دکانیں تک اس کے آہنی پنجوں سے محفوظ نہیں رہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ دنیا کے بیش تر ممالک بھی عالمی بینکوں سے سود پر قرض حاصل کرتے ہیں۔

اس طرح تقریب فہم کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ سود پر قرض لینے والے والوں کے اِعتبار سے سود کی دو قسمیں ہیں:

اِنفرادی سود اور اِجتماعی سود

"اِنفرادی سود" سے میری مراد لوگوں کے ذریعہ اپنے ذاتی مفاد میں سود پر قرض یا سامان لینے سے ہے اور "اجتماعی سود" سے مراد وہ قرضے اور سامان ہیں، جو برسر اِقتدار جماعت اپنے ملک کے لیے حاصل کرتی ہے۔

❶ دیکھیے: دار قطنی، ج:۳، ص:۳۱

اِنفرادی سود کے نتیجے میں تباہی و بربادی، خودکشی اور ظلم و زیادتی کی خوں چکاں داستانوں سے اخبارات کے صفحات سیاہ ہیں۔ کبھی چھوٹے تاجر اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینے کے لیے سودی قرض لے لیتے ہیں، اور توقع کے مطابق منافع نہ ہونے کی صورت میں قرض بھرتے بھرتے وہ اپنی سابقہ تجارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح کثرت سے ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں، جو اپنے گھر کی زیب و زینت کے لیے قسطوں میں نت نئے صوفے، دیدہ زیب فرنیچر اور طرح طرح کے سامانِ آرائش و زیبائش حاصل کرتے ہیں اور جب کسی وجہ سے طے شدہ معاہدہ کے مطابق قسطیں نہ جمع کر سکیں، تو سب کچھ لٹا کر آنسو بہا رہے ہوتے ہیں۔

یہ ایک ناقابلِ اِنکار حقیقت ہے کہ اِنفرادی سود کے عبرت ناک نتائج دیکھنے کے لیے ہمیں نہ کہیں دور جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی تحقیق و جستجو کی، بس اپنے اردگرد کی آبادیوں پر نگاہ ڈالیے اور ایسے بہتیرے خاندان مل جائیں گے، جو بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ تباہی و بربادی کے قصے سنا رہے ہوں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اِنفرادی سود کے حوالے سے مزید گفت گو کرنے کی بہ جائے ہم یہاں "اِجتماعی سود" پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہوئے زیرِ بحث موضوع کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ویسے تو نجی سرمایہ کار ادارے اپنے طور پر دنیا کے پس ماندہ ممالک کو سود پر قرض دیتے رہتے ہیں، تاہم اِجتماعی سود کے مضر اثرات کی بھیانک تصاویر دیکھنے کے لیے ہم یہاں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی سابقہ کارکردگی کے حوالے سے گفت گو کریں گے۔

ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف:

۱۹۴۴ء میں ہونے والی **Bretton woods conference** کے نتیجے میں ورلڈ بینک **(World bank)** اور آئی ایم ایف **(International Monetary Fund)** کی بنیاد رکھی گئی۔ آئی ایم ایف نے ۱۹۴۵ء میں ۲۹ ممبر ممالک کے ذریعہ باقاعدہ اپنے کام کا آغاز کیا اور آج دونوں اِداروں میں دنیا کے ۱۸۸ ممالک اس کے ممبر ہیں۔ کہنے

کو تو یہ اقوامِ متحدہ، نیویارک کے ذیلی اِداروں کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے، تاہم مخصوص قوانین، علیحدہ ضوابط اور ذاتی لائحۂ عمل کے ساتھ یہ اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ورلڈ بینک اپنے پانچ ذیلی شعبوں کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے۔ ان کا صدر دفتر واشنگٹن ڈی سی، امریکہ میں ہے، جہاں سے یہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اپنے منصوبوں پر نگاہ رکھتا ہے۔

ورلڈ بینک کے بنیادی مقاصد کی وضاحت کے لیے اِسے پڑھیے:

"Our mission evolved from the International Bank for Reconstruction and Development (IBRD) as facilitator of post-war reconstruction and development to the present-day mandate of worldwide poverty alleviation in close coordination with our affiliate, the International Development Association, and other members of the World Bank Group,IFC,MIGA,ICSID." [1]

"عالمی بینک برائے تعمیرِ نو اور ترقی کی حیثیت سے اپنے ملحقہ ادارہ بین الاقوامی تنظیم برائے ترقی، نیز آئی ایف سی، ایم آئی جی اے، آئی سی ایس آئی ڈی وغیرہ کے خصوصی تعاون سے ہمارا مقصد اِختتامِ جنگ پر تعمیرِ نو سے لے کر عصرِ حاضر میں ساری دنیا سے غربت ختم کرنا ہے۔"

اسی طرح آئی ایم آیف کے قیام کی بنیادی وجہ پر بھی نگاہ ڈال لیجیے:

"The IMF provides policy advice and financing to members in economic difficulties and also works with developing nations to help them achieve macroeconomic stability and reduce poverty." [2]

---

[1] *worldbank.org, about us*

[2] *imf.org, about us*

"آئی ایم ایف اپنے ممبر ممالک کی اِقتصادی زبوں حالی کے وقت انھیں مناسب مشورہ بھی دیتا ہے اور قرض بھی فراہم کرتا ہے، نیز ترقی پذیر ممالک کے ساتھ تعاون کر کے معاشی اِستحکام اور غربت دور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔"

عالمی بینک اور آئی ایم ایف، نیز ان سے ملحقہ دوسرے اداروں کے حوالے سے مختصر تعارف آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا سے غربت ختم کرنا، ان کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں، بل کہ سب سے پہلا اور بنیادی مقصد رہا ہے، تاہم مطلوبہ مقصد میں کہاں تک کام یابی حاصل ہوئی، اس کے لیے آئیے تاریخی آئینے میں زمینی حقائق کی حیرت ناک تصاویر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، تا کہ "مزعومہ مقاصد" کے پس پردہ "ذاتی مفادات" کے خدوخال اچھی طرح واضح ہو سکیں۔

"ورلڈ بینک" کوئی عام بینک نہیں ہے، جو اِنفرادی طور پر لوگوں کی اِقتصادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قرض دے، بل کہ یہ وہ ادارہ ہے، جو صرف دنیا کے ممالک کو قرض دیتا ہے اور وہ بھی ایسے ممالک کو، جو اپنے خراب لین دین کی وجہ سے کسی دوسری جگہ سے قرض لینے کے اہل نہیں سمجھے جاتے۔ اس طرح ورلڈ بینک پس ماندہ ممالک کے لیے آخری امید سمجھا جاتا ہے۔ یہ بینک تیسری دنیا کے ممالک کے لیے سب سے بڑا قرض دینے والا تنہا بینک ہے، جس نے اپنے طویل المیعاد بیرونی قرض کے ۱۱٪ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے، خواہ وہ عوامی ہو، یا اِنفرادی۔ ❶

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ بینک صرف قرض دینے تک محدود نہیں ہے، بل کہ اپنی طے شدہ پالیسی کے مطابق قرض لینے والے ممالک کے داخلی معاملات میں بھی ٹانگ اڑاتے ہوئے، ان کے ممکنہ فلاحی منصوبوں، ذاتی پالیسیوں، حتی کہ سیاسی اُمور میں بھی اپنی تجاویز تھوپنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ بات اس قدر واضح ہے کہ ۹ رمئی ۱۹۴۷ء میں ورلڈ بینک کے صدر جان میکلو نے ۲۵۰ ملین ڈالر پر مشتمل سب سے پہلا قرض فرانس کے لیے مختص کیا، تاہم اسے دینے سے پہلے ہی یونائیٹڈ اسٹیٹ ڈیپارٹ منٹ آف اسٹیٹ نے

❶ دیکھیے: **Masters of Illusion, Page:2**

شرط لگائی کہ فرانس اپنی حکومت میں موجود ایسے لوگوں کو ہٹائے، جو کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہیں۔ فرانس کو قرض حاصل کرنے کے لیے یہ مطالبہ بہ ہر حال ماننا پڑا، تب کہیں جا کر اس کے لیے متذکرہ قرض کی رقم منظور کی گئی۔ ❶

ہیتی کی حالتِ زار:

ٹورنٹو یونی ورسٹی، کناڈا میں شعبۂ معاشیات کے تجربہ کار پروفیسر **Gerald Helleiner** ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی موجودہ پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے اپنے ایک طویل تحقیقی مضمون میں لکھتے ہیں کہ یہ دونوں ادارے قرض اور اِمداد دینے کے بہانے غریب ممالک کی اِقتصادی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف غریب ممالک پر بھاری قرض مسلط کر کے انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ طبی اور تعلیمی جیسے اہم سماجی خدمات کے شعبوں کے اِخراجات میں کمی کر کے اُنھیں قرض واپس کرتے رہیں، نیز ایسی بھی مصدقہ اِطلاعات ہیں کہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف نے غریب ممالک پر زور دیا کہ وہ تجارت سے متعلق سخت قوانین نرم کریں، تا کہ بیرونی ممالک کے سرمایہ کاروں اور تاجروں کے لیے دروازے کھل سکیں اور نج کاری کو فروغ حاصل ہو جائے۔ اس طرح کی پالیسیاں غربت، بچہ مزدوری اور مزدوروں کے اِستحصال کا سبب بن رہی ہیں۔ ❷

نتائج بحث پر اِستدلال کے لیے ہیتی کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغربی کرہ میں ہیتی نہایت ہی غریب ملک ہے۔ پندرہ سال پیش تر وہ چاول برآمد کرنے کی حیثیت سے مشہور تھا، تاہم ۱۹۹۵ء میں آئی ایم ایف اور امریکہ کے دباؤ پر ہیتی کو چاول درآمدی ٹیکس کو ۳۵٪ سے گھٹا کر ۳٪ کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہیتی کے کسانوں کے لیے بھاری سبسڈی والے غیر ملکی چاول سے مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۶ء کے درمیان امریکی محکمۂ زراعت نے ۱۷ اربلین ڈالر کی سبسڈی شعبہ زراعت کے لیے مخصوص کر دی، جس سے سب سے زیادہ فائدہ رائس لینڈ فوڈس، ارکنساس کو پہنچا۔ دھیرے دھیرے جب ہیتی

❶ دیکھیے: **The Chairman, page:291-292**

❷ دیکھیے: **Fightslaverynow, World Bank and IMF**

میں چاول کی درآمد ۱۵۰؍فی صدی بڑھ گئی، تو وہاں کے کسانوں نے اپنے کھیت چھوڑ دیے اور ہیتی چاول برآمد کرنے والا ملک نہ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہیتی میں چاول کی ضرورت کا تہائی حصہ امریکہ سے درآمد کیا جاتا ہے۔ اس طرح ملک میں غربت بہت بڑھ گئی، جس کے نتیجے میں تقریباً پانچ لاکھ ہیتی شہری پڑوس کے ملک ڈومنین ری پبلک میں چینی صنعت سے وابستہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور حالات اس قدر خراب ہو گئے ہیں کہ ۹ سالہ ہیتی لڑکی صرف ۵۰ ڈالر کے عوض خریدی جاسکتی ہے۔ (1)

بدعنوان حکومتوں کے ذریعہ:

یہ بھی ایک ناقابل اِنکار حقیقت ہے کہ عالمی مالیاتی ادارے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ایسے سربراہانِ ممالک کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں، جن کے ظلم وستم، جبرو تشدد اور سفاکیت و بربریت کے آہنی پنجوں میں عام شہری بے بس ہیں، وہاں نہ سرکاری بے جا اِخراجات پر منہ کھولنے کی اِجازت ہے اور نہ ہی اربابِ اِقتدار کی بدعنوانیوں پر صدائے اِحتجاجات بلند کرنے کی ہمت، نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے نام پر بین الاقوامی اداروں سے لیے گئے بھاری قرضے عوامی مفاد میں خرچ ہونے کے بہ جائے، ذمہ داروں کے اپنے ذاتی اثاثہ جات بڑھانے کے لیے استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر موبوٹو، سوہارتو، مارکوس، لانسانا کونتے، اوبینگ گویما، ڈینس ساساو، بونگو اور حسنی مبارک وغیرہ کے اسما لیے جاسکتے ہیں۔

جوبلی ری سرچ برطانیہ کے ذمہ دار **Joseph Hanlon** زائر کے ڈکٹیٹر موبوتو کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں آئی ایم ایف نے زائر کے مرکزی بینک کے ذمہ دار عہدہ پر اپنی طرف سے **Edwin Blumenthal** کو فائز کر دیا۔ صرف دو سالوں کے بعد موصوف نے یہ کہتے ہوئے اِستعفا دے دیا کہ زائر کے مالیاتی اداروں میں بڑے پیمانے پر خرد برد ہو رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ زائر اپنے ذمہ واجب الادا قرض کبھی

(1) دیکھیے؛ نفس مصدر۔ مزید پڑھیے؛ ***Food imports hurt struggling Haitian farmers, NBC News, 2/26/2010, by Paisley dodds***

بھی ادا نہیں کر پائے گا۔ کہتے ہیں کہ ۱۹۹۸ء میں جب موبوتو کی موت ہوئی تو زائر کے ذمہ واجب الادا قرض کی رقم ۱۳؍بلین ڈالر سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس نازک صورت حال کا نتیجہ، سویڈن یونی ورسٹی میں شعبۂ زراعت سے ڈگری حاصل کرنے والے لارڈ ایکنس اڈیسی کی زبان سے سنیے:

> ***"Today majority of Congolese live on less than a dollar a day while hundreds of millions of dollars are paid to the IMF and World Bank every year as fees for loans taken and stolen by Mobutu."*** (1)

> ”آج کانگو (پرانا نام زائر) کے زیادہ تر رہائشی ایک ڈالر یومیہ سے بھی کم پر زندگی گزار رہے ہیں، جب کہ ہزاروں ملین ڈالر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو قرض کی فیس کے مد میں ہر سال ادا کیا جا رہا ہے، جسے موبوتو حکومت نے غبن کیا ہے۔“

انھی تلخ حقائق کے پیش نظر کل افریقی ممالک چرچ کانفرنس میں شرکا نے سود پر لیے جانے والے بھاری قرض کو غلامی کی ایک جدید قسم سے تعبیر کیا ہے، جو غلامی سے کہیں بڑھ کر خطرناک بھی ہے اور تباہ کن بھی۔

> ***"The $200 billion that African countries owe to foreign creditors represents a crippling load that undermines economic and social progress. The All-Africa Conference of Churches has called this debt "a new form of slavery, as vicious as the slave trade"*** (2)

(1) ***IMF and World Bank; agent of poverty or partners of develpoments: Lord Aikins Adusei, Mordern Ghana, 05.30.09***

(2) ***Share the World's Resourses, 23,March, 2006***

''افریقی ممالک کے ذمہ واجب الادا دوسو بلین ڈالر کا بین الاقوامی قرضہ، ایک سنگین بوجھ بن گیا ہے، جو معاشی اور سماجی ترقی کی رفتار کو بری طرح سے متاثر کر رہا ہے۔ کل افریقی چرچ کانفرنس نے اس قرض کو غلامی کی ایک جدید صورت سے تعبیر کیا ہے، جو غلاموں کی تجارت ہی کی طرح خطرناک ہے۔''

آپ نے بین الاقوامی سودی قرضوں کے نتیجہ میں براعظم افریقہ کی افسوس ناک، بھیانک اور لرزہ خیز صورت حال کی چند جھلکیاں ملاحظہ کر لی ہیں۔ اب آیئے ایشائی ممالک پر بھی ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال لی جائے، تاکہ کسی کے حاشیہ ذہن میں یہ وہم گھر نہ بنا سکے کہ عالمی مالیاتی اِداروں کی ''نوازشات''، ''عنایات'' اور ''کرم فرمائیاں'' صرف کسی خاص خطے تک ہی محدود رہتی ہیں۔

اِختصار کے پیشِ نظر مثال کے لیے، ہم صرف فلپائین کا تذکرہ کریں گے۔

فلپائن کی حالت:

Dr.Susan Hawley نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب **Exporting Corruption** میں تفصیل کے ساتھ فرنانڈیس مارکوس کے دورِ حکومت میں فلپائن میں بننے والے نیوکلیئر پاور پلانٹ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ **Westinghouse** نامی امریکی کمپنی نے ۱۹۷۰ء کے دوران ۲.۳ بلین ڈالر میں باٹان نیوکلیئر پاور پلانٹ بنانے کا ٹھیکہ حاصل کر لیا، جسے اسی کمپنی نے کوریا میں اس سے تہائی لاگت پر تعمیر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کمپنی نے فرنانڈیس مارکوس کو بہ طور رشوت ۸۰۰ ملین ڈالر ادا کیے تھے۔ بہ ہر کیف، فلپائن کے شہری اپنے ٹیکس سے ۲.۱ اربلین ڈالر قرض کی سروس فیس کے مد میں ادا کر چکے ہیں، تاہم پلانٹ بننے کے بعد سے ایک واٹ بجلی بھی یہاں پیدا نہیں کی جا سکی ہے۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ پلانٹ آتش فشاں کے قدموں میں تعمیر ہوا ہے، جہاں سے ہو کر زلزلہ کا سبب بننے والی لائنیں گزرتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلپائنی حکومت نیوکلیئر پلانٹ کے لیے حاصل کیے گئے قرضہ پر اب بھی یومیہ ۷۰۰۰۰ ارڈالر سود ادا کر رہی ہے اور یہ ۲۰۱۸ء تک معاہدہ کے مطابق

یوں ہی ادا کرتی رہے گی۔ ❶

اندازہ لگائیں کہ کس طرح ترقی یافتہ ممالک غریبوں کی دست گیری کے بہانے انہیں لوٹ رہے ہیں۔ سہولتیں پہنچانے کے سبز باغ کے پیچھے اپنے ہی لوگوں کو ٹھیکے بھی دلوائے جاتے ہیں اور وہ بھی بازار کی عام قیمتوں سے کئی گنا زیادہ پر، اور پھر منصوبہ کی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری ملک کے غریب شہریوں پر ڈال دی جاتی ہے۔ وہ بے چارے ''ناکردہ گناہ'' کی قیمت برسوں چکاتے رہتے ہیں۔

انڈونیشیا کے حوالے سے:

جنرل سوہارتو کی تیس سالہ عہد حکومت میں ورلڈ بینک نے انڈونیشیا کو ۳۰ بلین ڈالر کا قرض دیا۔ ۱۹۹۸ء میں انڈونیشیا میں ورلڈ بینک کی آفس کے ایک ذمہ دار افسر نے حیرت انگیر اِنکشاف کرتے ہوئے ثابت کیا کہ انڈونیشیا کو دیے جانے والے ترقیاتی فنڈ کا کم سے کم ۲۰ سے ۳۰ فی صد حصہ حکومت کے ذمہ داروں اور سیاست دانوں پر خرچ ہوا ہے، جو کہ قرض کی مطلوبہ شرائط وضوابط کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس اِنکشاف کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ۹ بلین ڈالر یوں ہی ضائع ہو گئے، تاہم اب تک انڈونیشیا کے غریب باشندے اپنے خون پسینے کی کمائی سے ورلڈ بینک کا قرضہ ادا کر رہے ہیں۔ ❷

آپ نے سودی قرضوں کے خوف ناک نتائج کی بھیانک تصاویر ملاحظہ کر لی ہیں۔ اپنی بات کرنے سے پہلے، زیر بحث گفت گو کے اِختتام پر ہارورڈ یونی ورسٹی کے ماہر معاشیات کی تحقیقی رپورٹ کا یہ حصہ پڑھ لیجیے۔ موصوف کہتے ہیں:

"In 2006 for example, developing countries owed $3.7-trillion in odious debt, servicing more than $570-billion per annum. An analysis by economist James Henry revealed that more

❶ دیکھیے: ***Exporting Corruption, Page:***

❷ دیکھیے: ***Prophet of Evil, Page: 245***

than $1-trillion worth of loans "disappeared into corruption-ridden projects or was simply stolen outright". Out of this debt Africa owes $200 billion and uses $14 billion annually to service it, money that could be used to provide education, healthcare other basic needs for the people." ❶

''مثال کے طور پر ۲۰۰۶ء تک ترقی پذیر ممالک کے ذمہ واجب الادا قرض ۷.۳ ٹریلین ڈالر تھا، جس پر وہ سالانہ ۵۷۰ بلین ڈالر سروس فیس ادا کرتے ہیں۔ ماہر معاشیات جیمس ہنری کے اِنکشاف کے مطابق ایک ٹریلین ڈالر سے زیادہ کا قرض بدعنوانی سے پُر منصوبوں کی بھینٹ چڑھ گیا یا آسان زبان میں کہہ لیں کہ چوری ہوگیا۔ اس قرض میں سے تقریباً ۲۰۰ بلین ڈالر تو صرف افریقہ کے ذمہ واجب الادا ہے، جس پر وہ ۱۴ بلین ڈالر سالانہ کے حساب سے سود اور سروس فیس ادا کرتے ہیں، جسے تعلیم، صحت اور عوام کی دوسری بنیادی سہولتوں پر خرچ کیا جاسکتا تھا۔''

اِسلام میں سود کی حیثیت:

زمانۂ جاہلیت میں عرب علاقے پوری طرح سودی لین دین کی گرفت میں تھے۔ لوگ بڑے فخر سے حاجت مندوں کو سود پر قرض دیتے اور انہیں معاشی تنگ دستی کے غارِ عمیق میں ڈھکیل دیتے۔ ماہرین تاریخ اور فقہائے اِسلام لکھتے ہیں کہ عرب میں اُس وقت دو طرح کے سود رائج تھے:

۱- ربا النسیہ
۲- ربا الفضل

❶ Institute for Policy Studies, by Khadija Sharif, April 14,09

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک ہی جنس کو دست بہ دست زیادتی کے عوض خریدا جائے، جیسے کوئی چار پاؤنڈ چاول کو نقد چھ پاؤنڈ چاول کے بدلے فروخت کرے۔

ربا النسیہ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے، یا اس پر نفع لیا جائے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ ربا النسیہ زمانۂ جاہلیت میں نہایت ہی مشہور و معروف تھا۔ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ یا سال میں ایک معین رقم وصول کریں گے، جب کہ اصل رقم مقروض کے ذمہ جوں کی توں باقی رہے گی۔ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ، مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا کرنے سے قاصر رہتا، تو قرض خواہ مدتِ ادائیگی اور سود دونوں میں اِضافہ کردیتا۔ ❶

زمانۂ جاہلیت کے معاشی حالات پر نگاہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس دور میں لوگ سودی لین دین کو ایک طرح کی تجارت ہی سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی کج فہمی پر ضرب لگاتے ہوئے اِعلان کیا:

''اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ'' ❷

''جو لوگ سود سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں، وہ روزِ قیامت اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے، جسے آسیب نے چھو کر باؤلا بنا دیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ خرید و فروخت بھی تو سود ہی کی مانند ہے، حالاں کہ اللہ نے خرید و فروخت کی اجازت دی اور سود کو حرام قرار دیا، پس جس کے کانوں تک اس

❶ دیکھیے: تفسیر کبیر، ج:۲، ص:۳۵۱
❷ قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۷۵

کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود سے باز آ گیا، تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، مگر اب جو لوگ بھی ایسی حرکت کریں گے، وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔" (فیضان القرآن)

اور سودی لین دین سے مال و دولت میں اضافہ ہونے کے وہم و خیال کی پُر زور تردید کے لیے یہ آیت کریمہ پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ" (1)

"اللہ سود کو برباد کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، ناشکرے اور نافرمان اللہ کے نزدیک عزیز نہیں۔" (فیضان القرآن)

نیز اس کی بھی نہایت صراحت کے ساتھ وضاحت کر دی جاتی ہے کہ حاجت مندوں کے اِستحصال سے نہیں، بل کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے صدقات و خیرات سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال و دولت بڑھتا ہے۔

"وَ مَا اٰتَیْتُمْ مِن رِّبًا لِّیَرْبُوَ فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا اٰتَیْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ" (2)

"اور جو کچھ تم زیادہ واپس لینے کی نیت سے دوسروں کو دو، تو سن لو کہ وہ اللہ کے نزدیک قطعی نہیں بڑھتا اور جو مال تم زکوٰۃ و خیرات کی شکل میں رضائے اِلٰہی کے حصول کے لیے دیتے ہو، تو یہی وہ لوگ ہیں، جو اپنے مال بڑھانے والے ہیں۔" (فیضان القرآن)

آپ محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ ربّ العزت نے نہایت ہی صراحت کے ساتھ سود کو

(1) قرآن کریم، سورت: ۲، آیت: ۲۷۵
(2) قرآن کریم، سورت: ۳۰، آیت: ۳۹

حرام قرار دیتے ہوئے غریبوں، حاجت مندوں اور تنگ دستوں کے اِستحصال کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا ہے، جس سے اصحابِ دولت و ثروت معاشی ظلم و ستم کے لیے جواز کی راہ ہموار کر سکیں۔

معاشرے پر سود کے بھیانک اثرات اور تباہ کن نتائج کے پیش نظر سرکارِ دو عالم ﷺ نے "سود" کو گناہِ کبائر میں سے شمار کرتے ہوئے فرمایا:

"اجتنبوا السبع الموبقات، قیل: یا رسول اللہ! وما هن؟ قال: الشرك باللّٰه، و السحر، و قتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق، و اكل الربا، و اكل مال الیتیم، و التولی یوم الزحف، و قذف المحصنات الغافلات" (1)

"حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ سات بڑے گناہوں سے بچو، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک، جادو، قتل ناحق، سود، یتیم کی دولت ہڑپ کر جانا، میدانِ جنگ سے بھاگنا اور پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔"

زیر بحث موضوع آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہو چکا ہے۔ اب وقت ہے کہ غیر جانب داری کے ساتھ اپنے ضمیر کی آواز سننے کی کوشش کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ اسلامی تعلیمات کے زیر سایہ معاشرہ کے کم زور، پس ماندہ اور حاجت مند طبقات کے حقوق کی بہتر حفاظت ہوتی ہے یا عصر حاضر کے مروجہ معاشی نظریات کے پس منظر میں!

اپنی تصویر ہٹاؤ گے تو ہوگا احساس
کتنا دشوار ہے خود کو کوئی چہرہ دینا

(1) بخاری، ج: ۳، ص: ۱۰۷۱

رشوت خوری

سودی لین دین ہی کی طرح ''رشوت خوری'' بھی دورِ حاضر کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ ہے، جس کی تپش سے آئے دن لوگ جھلس رہے ہیں۔ عالمی اخبارات، رسائل اور جرائد میں کثرت سے شائع ہونے والے افسوس ناک واقعات یہ شہادت دینے کے لیے کافی ہیں کہ رشوت خوری اب صرف کسی مخصوص خطہ زمین تک محدود نہیں رہی، بل کہ اس کا دائرۂ کار پس ماندہ ممالک سے لے کر دنیا کے بڑے ترقی یافتہ ممالک کی سرحدوں تک پہنچ چکا ہے، بس فرق صرف اِس قدر ہے کہ کہیں عام شہری متاثر ہو رہے ہیں اور کہیں اصحابِ ثروت، اربابِ اِقتدار اور تجارت پیشہ عناصر کے ہاتھوں ملکی معیشت پر کاری ضرب پڑ رہی ہے۔

میری تمہیدی گفت گو کی وضاحت کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ رشوت خوری دو طرح کی ہوتی ہے:

۱- ظالمانہ رشوت خوری (**Extortionist Bribery**)

۲- باہمی رشوت خوری (**Mutual Bribery**)

''ظالمانہ رشوت خوری'' سے عموماً عام لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اس زمرے سے مراد وہ رشوت ہے کہ جس میں قوانین وضوابط کے سارے تقاضے پورے کرنے کے باوجود اپنے کسی کام میں مشکلات سے بچنے کے لیے اہل کاروں کی جیب گرم کرنی پڑتی ہے۔ ظالمانہ رشوت خوری تیسری دنیا کے ممالک میں بہت عام ہے، بل کہ یوں کہہ لیں کہ اب یہ کوئی عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ بہ طور رشوت دی جانے والی رقم کو بھی اپنے ضروری اِخراجات کا حصہ سمجھتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ رشوت کی رقم ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی، بل کہ متذکرہ کام کی اہمیت، لاگت اور ضرورت کے پیش نگاہ بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

ہم یہاں بہ طور مثال صرف ہندوستان میں ہونے والے ایک سروے کی طرف اِشارہ کریں گے، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہمارے معاشرے میں ظالمانہ رشوت خوری کی جڑیں کس قدر مضبوط ہو گئی ہیں۔

"**I Paid a Bribe**" نامی عوامی فورم کی شائع شدہ رپورٹ کے مطابق ۱۹ رمئی ۲۰۱۲ء تک یعنی ویب سائٹ لاؤنچنگ کے بعد گذشتہ بائیس مہینوں کے درمیان رشوت خوری کی ۱۷،۲۳۰ر وارداتیں رپورٹ کی گئی ہیں، جن میں عوام نے اپنی گاڑھی کمائی کے کروڑوں روپیے گنوائے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ وہ وارداتیں ہیں، جنھیں عوام نے خود رجسٹر کروایا ہے، تاہم کوئی شبہہ نہیں کہ اصل تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ متذکرہ رپورٹ سے یہ حیرت انگیز اِنکشاف بھی ہوتا ہے کہ ہندوستان کا وہ شہر جسے تعلیم وترقی، نظم وضبط اور دولت وثروت کے اِعتبار سے دوسرے شہروں پر فوقیت حاصل ہے، وہاں ہی سب سے زیادہ بڑے پیمانے پر رشوت خوری ہو رہی ہے۔ ایک اور بات جس کی جانب توجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ رشوت خوری کی وارداتیں سب سے زیادہ شعبۂ پولس میں ریکارڈ کی گئی ہیں۔ اس حقیقت سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ جب ملک میں قانون نافذ کروانے کی ذمہ دار پولس ہی رشوت خوری میں سب سے آگے رہے گی، تو دوسرے لوگ کس حد تک ملکی قوانین کی پاسداری کریں گے، پھر جب لوگ قوانین وضوابط کی پاسداری نہ کریں، تو بلاشبہہ ایک طرف عوام کا ایک گروہ رشوت دے کر اپنے سیاہ کرتوتوں پر پردہ ڈالنے میں کام یاب رہتا ہے، جب کہ دوسری جانب ایک بہت بڑا طبقہ ناحق ظلم وزیادتی کی چکی میں پستا رہتا ہے۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ رشوت کے لین دین کی وجہ سے پورا معاشرہ ابتری، لاقانونیت اور افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے۔*

''باہمی رشوت خوری'' سے مراد وہ رشوت ہے، جو لینے والے اور دینے والے دونوں کے لیے سود مند ہو، جیسے حکومت کے زیرِ اِہتمام چلنے والے کسی تعمیراتی منصوبہ کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے ٹھیکہ دار کے ذریعہ اراکین حکومت کو پس پردہ دی جانی والی رشوت۔ خیال رہے کہ اس طرح کی رشوت خوری میں اراکین حکومت تو فائدہ میں رہتے ہیں ہی، تاہم رشوت دینے والا ٹھیکہ دار بھی نقصان میں نہیں رہتا، اس لیے کہ وہ رشوت میں دی جانے والی

* ***Janaagraha*** نامی تنظیم نے یہ ویب سائٹ ۱۵ راگست ۲۰۱۰ء میں لاؤنچ کی ہے، جس کے مشترکہ بانی سواتی، رمیش راماناتھ اور سری دھر لینگر ہیں

رقم کو پہلے ہی اپنے پیش کردہ بجٹ میں شامل کر لیتا ہے۔ اس طرح باہمی رشوت خوری کے نقصانات سے بالواسطہ سرکاری خزانہ متاثر ہوتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ عوام سے حاصل شدہ ٹیکس کی رقم سرکاری تحویل میں جانے کے باوجود خرد برد کے ذریعہ ضائع ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک حقیقت اور بھی پیش نگاہ رہے کہ ظالمانہ رشوت خوری میں چوں کہ لینے والا فائدہ میں رہتا ہے، اس لیے وہ اسے صیغۂ راز میں ہی رکھنے میں اپنے لیے بھلائی سمجھتا ہے، تاہم دینے والا سر تا سر نقصان میں رہتا ہے، اس لیے وہ جوں ہی اپنے آپ کو سرکاری محکمہ کے عتاب سے محفوظ خیال کرتا ہے، پوری قوت کے ساتھ صدائے اِحتجاج بلند کرتے ہوئے اپنی افتاد سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ اِس طرح ظالمانہ رشوت خوری کی رودادیں کثرت سے سنائی دیتی رہتی ہیں، تاہم باہمی رشوت خوری میں چوں کہ لینے والے اور دینے والے دونوں فائدہ میں رہتے ہیں، اس لیے دونوں خاموشی ہی میں اپنے لیے عافیت سمجھتے ہیں اور باہمی رشوت خوری کی وارداتیں بہت کم اخبارات کے توسط سے عوام کی نگاہوں کے سامنے آپاتی ہیں، یہ اور بات کہ پہلی قسم کی بہ نسبت اِس میں نقصانات کی کمیت عام طور پر بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے، تو ورق اُلٹیے اور روے زمین پر رشوت خوری کے حوالے سے ہونے والے افسوس ناک حادثات کی تفصیلات پڑھیے۔

کیلوگ براؤن اینڈ روٹ رشوت کیس:

Kellogg Brown & Root LLC انجینئرنگ اور تعمیرات کی ایک اِنتہائی مشہور و معروف بین الاقوامی امریکی کمپنی ہے۔ ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس امریکہ کے اعلامیہ ۱۱ رفروری ۲۰۰۹ء کے مطابق متذکرہ کمپنی نے نائیجیریائی حکومت کے اہل کاروں کو بونی نامی جزیرہ پر قدرتی گیس سے متعلق اہم منصوبے کی تعمیرات کے لیے معاہدہ طے کرنے کی کوشش میں بڑے، پیمانے پر رشوت دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۴ء کے درمیان **KBR** ان چار کمپنیوں میں سے ایک تھی، جنھیں نائیجیریائی حکومت نے ٹھیکہ دیا تھا۔ کورٹ کے مستندات کے مطابق کمپنی کے سابق سربراہ البرٹ جیک اسٹینلے اور دیگر اہل کاروں نے

رشوت کی رقم ادا کرنے کے لیے دو ایجنٹوں کی خدمات حاصل کی تھیں، ان میں سے ایک کو ۱۳۲ رملین ڈالر اور دوسرے کو ۵۰ ملین ڈالر دیے گئے۔

لمبے عرصہ تک چلنے والے اس کیس میں ایف بی آئی اور دوسرے محکموں نے باریک بینی سے دلائل و براہین جمع کیے، جن سے بچنے کی کوئی سبیل نہ پاتے ہوئے کمپنی کے سابق سربراہ جیک اسٹینلے نے ستمبر ۲۰۰۸ء میں اِعتراف جرم کرلیا اور ۴۰۲ ملین ڈالر جرمانہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔ **Foreign Corrupt Practice Act (FCPA)** کی خلاف ورزی میں کسی بھی امریکی کمپنی پر عائد کی جانے والی یہ اس وقت تک کی دوسری سب سے بڑی جرمانے کی رقم تھی۔ یہ کیس اس حیثیت سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس میں ایک طرف عالمی شہرت یافتہ کمپنی کے بڑے اہل کار ملوث پائے گئے اور دوسری جانب ملک کے بڑے سیاسی عہدیداران شامل تھے۔ ❶

سیمین اے جی رشوت کیس:

Siemens AG بین الاقوامی کمپنیوں میں ایک اہم نام ہے، جس کا دائرۂ کار مشرق سے مغرب تک وسیع رہا ہے۔ دوران تفتیش کمپنی کے شعبۂ حساب و کتاب کے ذمہ دار **Siekaczek** نے اِعتراف کیا کہ ان کی نگرانی میں ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۴ء کے درمیان سالانہ چالیس سے پچاس ملین ڈالر بہ طور رشوت دنیا کی بدعنوان حکومتوں کے اہل کاروں کو دیے گئے ہیں تا کہ کمپنی کو بہتر سہولتوں کے ساتھ تجارتی منصوبے حاصل کرنے میں کامیابی مل سکے۔ اس کیس کی تفتیش حکومت جرمنی اور امریکہ نے مشترکہ طور پر کی ہے۔

عدالتی مستندات کے مطابق ۵ ملین ڈالر بنگلہ دیش میں موبائل فون معاہدہ کے لیے وزیر اعظم کے بیٹے کو دیے گئے۔ ۱۲.۷ رملین ڈالر نائیجیریائی حکومت کے اہل کاروں کو دیے گئے۔ ۴۰ ملین ڈالر ارجنٹائنا میں شناختی کارڈ بنانے کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے دیے گئے۔ اسرائیل میں پاور پلانٹ کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے ۲۰ ملین ڈالر دیے گئے۔ وینزویلا میں ریل لائن کا منصوبہ مکمل کرنے کے لیے ۱۶ رملین ڈالر دیے گئے۔ چین میں طبی ساز و سامان

❶ دیکھیے: Department of Justice, Justice News 11 Feb, 2009

کے حوالے سے ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے ۱۴ ملین ڈالر دیے گئے اور اسی طرح ۱.۷ ملین ڈالر صدام حسین اور ان کے اہل خانہ کو دیے گئے۔

یہ تو صرف وہ اِنکشافات ہیں، جن کے تانے بانے کسی طور فاش ہو گئے ہیں، ورنہ تو یہ فہرست مزید طویل ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ سیمین کمپنی پر ۱.۶ بلین ڈالر کا جرمانہ عائد کیا گیا، جو تجارتی دنیا کا سب سے بڑا جرمانہ ہے۔ اسی کے ساتھ جرمن حکومت نے **Siekaczek** کو دو سال نگہ داشت اور ۱۵۰۰۰۰ ڈالر شخصی طور پر جرمانہ ادا کرنے کی سزا بھی سنائی۔ (۱)

جیسا کہ مَیں نے پہلے عرض کیا ہے کہ باہمی رشوت خوری میں طرفین فائدے میں رہتے ہیں، اس لیے خال خال ہی ایسے حادثات منظرِ عام پر آپاتے ہیں، تاہم نقصانات کے پس منظر میں یہ، ظالمانہ رشوت خوری کے مقابلے میں کہیں زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی حسنِ اِتفاق ہے کہ میری اس رائے کی تائید کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی، بل کہ متذکرہ کیس میں وکیل اِستغاثہ نے دلائل و براہین پیش کرتے ہوئے جو بیان دیا ہے، اس کا یہ حصہ پڑھ لیجیے، بات صاف ہو جائے گی:

"The bribes left behind angry competitors who were shut out of contracts and local residents in poor countries who, because of rigged deals, paid too much for necessities like roads, power plants and hospitals, prosecutors said." (۲)

''رشوتیں غصہ میں بھرے ہوئے مقابلہ آرائی کرنے والوں کو پیچھے کر دیتی ہیں، جن پر ٹھیکہ حاصل کرنے کے دروازے بند ہو گئے اور غریب ممالک کے مقامی باشندوں کو بھی، جنھوں نے سودے میں دھاندلی کی وجہ سے سڑک، بجلی گھر، شفاخانے جیسی بنیادی ضروریات کے لیے کثیر رقوم ادا کیے، وکیل اِستغاثہ نے کہا۔''

(۱) دیکھیے: **The Newyork Times, 20 Dec 2008 by Schubert and Miller**

(۲) دیکھیے: **The Newyork Times, 20 Dec 2008 by Schubert and Miller**

باہمی رشوت خوری کے یہی وہ عظیم نقصانات تھے، جن کی وجہ سے مجھے قدرے تفصیلات کے ساتھ گفت گو کرنی پڑی۔ بہ ہر کیف، دنیائے تجارت میں رشوت خوری کی ایک جھلک دکھانی تھی، وہ آپ نے دیکھ لی ہے۔ اب آیئے ہم اپنے مرکزی موضوع کی جانب واپس پلٹتے ہیں۔

رشوت کے حوالے سے اِسلامی موقف

اِسلام نے رشوت خوری کی جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں اور نہایت ہی وضاحت کے ساتھ رشوت دینے کی بھی مذمت کی ہے اور رشوت لینے پر بھی سخت سزا کی وعید سنائی ہے۔ اس طرح ایک تقویٰ شعار مسلمان نہ رشوت دینے کی جرات کرتا ہے اور نہ ہی رشوت لینے کی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں جس قدر خشیتِ اِلٰہی کا غلبہ ہوتا چلا جائے، اسی قدر پورا معاشرہ رشوت خوری کی لعنت سے پاک ہوتا چلا جاتا ہے۔

ذرا دیکھیے تو سہی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے کس قدر صاف لفظوں میں معاشرہ کو رشوت خوری سے بچانے کی کام یاب کوشش کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما: لعن رسول الله صلى الله عليه و سلم الراشى و المرتشى'' (۱)

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

ایک دوسری روایت میں یہی مضمون مزید وضاحت کے ساتھ یوں ہے کہ رشوت دینے والے اور لینے والے، دونوں جہنم میں ہیں۔ (۲)

ویسے تو رشوت کی صاف لفظوں میں مذمت قابلِ ستائش ہے ہی، تاہم یہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اِسلامی شریعت عہدِ حاضر کے ناگفتہ بہ حالات کے پس منظر میں رشوت کی ممانعت نہیں کر رہی ہے، بل کہ سزائے جہنم کی وعید ایسے دور میں دی جا رہی ہے، جب کہ

(۱) ترمذی، ج:۴، ص:۴۷۰

(۲) دیکھیے: مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۵۹

عرب معاشرہ میں قمار بازی، جوا، رشوت خوری اور مالِ حرام سے عشرت کدوں کی رونقیں بڑھانے کو قطعی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

عرب معاشرہ میں رشوت خوری کے عام ہونے کی شہادت چاہیے، تو سنیے۔ ایک بار سرکارِ دوعالم ﷺ نے بنواسد کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل نامزد فرمایا۔ جب وہ زکوٰۃ وصول کرکے لوٹے تو کہنے لگے کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ یہ سنتے ہی منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

"....ما بال عامل ابعثه، فيقول: هذا لكم و هذا اهدى لى، افلا قعد فى بيت ابيه او فى بيت امه حتى ينظر ايهدى اليه ام لا، والذى نفس محمد بيده، لا ينال احد منكم منها شيئا الا جاء به يوم القيامة يحمله على عنقه، بعير له دغاء او بقرة لها خوار او شاة تيعر ثم رفع يديه حتى راينا عفرتى ابطيه، ثم قال: اللهم هل بلغت مرتين" (1)

"......ان عاملوں کا کیا حال ہے، میں ان کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجتا ہوں اور وہ آکر کہتے ہیں کہ یہ تمھارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، یہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھ جاتے، پھر ہم دیکھتے کہ انھیں کون سی چیز ہدیہ کی جاتی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی ان اموال میں سے کوئی چیز لے گا، قیامت کے دن وہ مال اس کی گردن پر سوار ہوکر میدانِ محشر میں آئے گا، خواہ وہ اونٹ ہو جو بڑبڑا رہا ہو، یا گائے جو ڈکار رہی ہو، یا بکری جو ممیا رہی ہو۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند کیے کہ ہم نے آپ کے بغلوں کی سفیدی کی زیارت کرلی، اس کے بعد آپ نے دومرتبہ اِرشاد فرمایا کہ اے اللہ! میں نے پیغام پہنچادیا۔"

---

(1) مسلم، ج:۱۲، ص:۱۷۲

قرآن مقدس نے مال حرام کھانے والے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوْكَ شَيْئًا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ" (1)

"یہ لوگ جھوٹی باتیں سننا بہت پسند کرتے ہیں اور برے ڈھنگ سے مال کھانے میں بڑے بے باک ہیں، اگر یہ اپنے معاملات لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، تو آپ ان کے درمیان یا تو فیصلہ کردیں یا کنارہ کش ہوجائیں، اگر آپ ان سے اِعراض کرلیں تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے، ہاں اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا ارادہ کرلیں، تو چاہیے کہ عدل و انصاف کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ بلاشبہہ اللہ تعالیٰ عدل و اِنصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (فیضان القرآن)

متذکرہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "سحت" مذکور ہوا ہے، جس کے لغوی معنی "حرام اور ناجائز" کے آتے ہیں، تاہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے رشوت سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

"الرشوة فى الحكم" (2)

"حکام کو رشوت دینا"

اور سرکارِ دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لا يدخل الجنه لحم نبت من سحت، النار اولى به" (3)

"جو گوشت سحت کے نتیجہ میں پیدا ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا، اس کے لیے تو جہنم زیادہ مناسب ہے۔"

---

(1) قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۴۲

(2) مسند ابو یعلی، ج:۹، ص:۱۷۳

(3) مسند احمد، ج:۴، ص:۲۶۵

اِنفرادی طور پر رشوت خوری سے دور رہنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اِسلام نے پورے معاشرے کو بھی رشوت سے باز رہنے پر برانگیختہ کیا ہے، تا کہ یہ لعنت جڑ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ اِس پس منظر میں سرکارِ دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"عن عمرو بن العاص رضی اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم یقول: ما من قوم یظهر فیهم الربا الا اخذوا بالسنة، و ما من قوم یظهر الرشا الا اخذوا بالرعب" (1)

"حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں ربا عام ہو جائے، وہ قحط سالی کا شکار ہو جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے وہ خوف و دہشت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔"

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ رشوت خوری معاشرہ کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے اور یہ بھی اپنے ماتھے کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ اِسلام نے کس دانش مندی اور حکمت عملی سے ہمیں رشوت سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسلام کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ حالات خراب ہونے کے بعد اِصلاحات کی طرف توجہ نہیں کرتا، بل کہ وقت سے پہلے ہی وہ سارے دروازے پورے طور پر بند کر دیتا ہے، جن کے ذریعہ اِنسانی معاشرہ میں ظلم و ستم، قہر و غضب اور نا اِنصافی کو پروان چڑھنے کے مواقع میسر آئیں۔

عقیدۂ قضا و قدر:

مستحکم اِقتصادی حالت کی خواہش کوئی معیوب نہیں، لیکن اسے حاصل کرنے کے لیے مقررہ حدیں تجاوز کرنے کی کوشش قابل مؤاخذہ ضرور ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ہر جائز اور نا جائز راستے سے معاشی حالت بہتر بنانے کے اِقدامات قطعی درست نہیں ہیں، بل کہ صرف اور صرف جائز طریقوں سے ہی ہمیں دولت جمع کرنے کی اِجازت دی گئی ہے۔

(1) مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۲۱۲

مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اِسلامی قوانین حدود و قصاص بہت حد تک لوگوں کو رشوت، دھوکہ، فریب، غبن اور چوری جیسے مذموم افعال و حرکات کے ذریعہ دولت سمیٹنے سے دور رکھنے میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں، تاہم یہ دوری خوف سزا و عقاب کی وجہ سے ہوتی ہے، جب کہ اِسلامی عقیدۂ قضا و قدر انسان کی فکری نشو و نما کی اصلاح میں نہایت ہی کام یاب، فعال اور مؤثر رول ادا کرتا ہے۔ میرے اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی اِنسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے قابل گرفت حرکت پر سزا ملے گی، تو وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے رکھتا ہے، اور جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ غلط حرکت سے مال و دولت جمع کرنے کی کوشش کرے یا جائز و مسموح راستے سے، بہ ہر حال اسے اسی قدر ملے گا، جو اس کے مقدر میں کاتب تقدیر کے قلم سے پہلے ہی لکھا جا چکا ہے، تو وہ پھر غلط حرکت کرنے کے اِرادے سے ہی دور رہتا ہے، بل کہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ جب اسے اس بات پر یقین کامل ہو جائے کہ طے شدہ مقدر کے مطابق بہ ہر کیف اسے مل ہی جائے گا، تو وہ سخت سے سخت معاشی حالات میں بھی قابل گرفت افعال سے خود کو بچانے میں پوری طرح کام یاب رہتا ہے۔ گفت گو کے اس مقام پر پہنچ کر اسلامی عقیدۂ قضا و قدر کے فضل و شرف کی برتری پوری طرح اُجالے میں آ جاتی ہے۔

بات بغیر دلائل و براہین کے نہ رہ جائے، اِس لیے اِسلامی عقیدۂ قضا و قدر کے چند پہلو پیش نگاہ رکھ لیجیے!

اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے:

"وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا" (1)

"اللہ تعالیٰ اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے، جہاں سے اسے توقع بھی نہیں، اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، تو وہی اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہے گا، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے مناسب اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔" (فیضان القرآن)

(1) قرآن کریم، سورت: ۶۵، آیت: ۳

اسی پس منظر میں یہ آیت کریمہ بھی پڑھیے:

"وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" ❶

"اللہ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک تولیدی قطرے سے، پھر تمھیں جوڑے جوڑے بنا دیا، جو عورت بھی حاملہ ہو جائے اور بچہ جنے، وہ سب کچھ اس کے علم میں ہوتا ہے، جس طویل عمر والے کو طویل عمر ملے یا کسی کی عمر کم ہو جائے، یہ ساری تفصیلات لوحِ محفوظ میں درج ہیں، بے شک یہ سب اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔" (فیضان القرآن)

نفع اور نقصان کے پہنچنے کے حوالے سے یہ آیت کریمہ دیکھیے:

"مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ، لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" ❷

"نہ کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے اور نہ ہی تم پر، مگر یہ کہ وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور بے شک یہ سب کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ یہ اس لیے بتایا جا رہا ہے تاکہ تم مصیبت کے نتیجے میں کسی چیز کے جانے پر غم زدہ نہ ہو جاؤ، اور نہ ہی عطائے الٰہی سے کسی چیز کے ملنے پر اترانے لگو، کہ اللہ تعالیٰ کسی بڑائی مارنے والے متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔"

(فیضان القرآن)

❶ قرآن کریم، سورت: ۳۵، آیت: ۱۱

❷ قرآن کریم، سورت: ۵۷، آیت: ۲۲، ۲۳

متذکرہ آیاتِ قرآنیہ سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جب تقدیر کا لکھا بہر کیف مل کر ہی رہے گا، تو پھر جدوجہد، تگ و دو اور محنت و مشقت کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیوں کہ اسلامی شریعت اگر ہمیں قضا و قدر پر مکمل ایمان رکھنے کا حکم دیتی ہے، تو دوسری جانب ہمیں اپنی استطاعت پر کوشش کرنے کی بھی ہدایت دیتی ہے:

"وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" ❶

"آپ کہیے کہ تم عمل کیے جاؤ، اب تمھارے اعمال اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی نگاہوں میں رہیں گے، پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور ظاہر کو بھی، لہٰذا وہ تمھیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔" (فیضان القرآن)

مزید وضاحت کے لیے یہ آیت کریمہ بھی پڑھ لیجیے:

"وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى، ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى" ❷

"اور یہ کہ ہر انسان اسی کے مطابق بدلہ پائے گا، جس قدر اس نے کوشش کی ہوگی کہ بے شک اس کی کوشش بہت جلد ظاہر کر دی جائے گی۔ پھر اسے اس کی کوشش کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔" (فیضان القرآن)

میرے خیال میں مدعائے سخن خوب اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ جب ایک انسان کو تقدیر کے مطابق ہی روزی ملنی ہے، تو وہ اسے غلط راستے سے حاصل کرنے کا ارادہ ہی کیوں کرے؟ اس طرح عقیدۂ قدر و قضا پر ایمان جوں جوں مستحکم ہوتا چلا جائے گا اُسی قدر انسان کے لیے غلط راہوں سے مال و دولت اکٹھے کرنے کی خواہش کم زور ہوتی چلی جائے گی۔

❶ قرآن کریم، سورت: ۹، آیت: ۱۰۵

❷ قرآن کریم، سورت: ۵۳، آیت: ۳۹، ۴۰، ۴۱

یہاں پہنچ کر پورے یقین و اِذعان کے ساتھ کہیے کہ اگر اِسلامی قوانین وضوابط ایک طرف انسان کو رشوت خوری، غبن، دھوکہ، فریب اور چوری کے ذریعہ دولت جمع کرنے سے باز رکھنے کی کام یاب کوشش کرتے ہیں، تو دوسری جانب عقیدۂ قضاوقدر کی تفصیلات اسے نفسیاتی طور پر متذکرہ جرائم کے تصور سے بچانے میں معاون ومددگار ہوتی ہیں۔

متذکرہ گفت گو کے اخیر میں فرشتہ کے ذریعہ شکم مادر میں انسان کی تقدیر لکھے جانے کی روداد بھی سن لیجیے تا کہ بات کسی پہلو سے ادھوری نہ رہ جائے۔

اللہ کے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”عن انس بن مالك عن النبى صلى الله عليه و سلم قال: ان الله عزوجل وكل بالرحم ملكا، يقول: يا رب! نطفة، يا رب! علقة، يارب! مضغة، فاذا اراد ان يقضى خلقه، قال: ا ذكر ام انثى؟ شقى ام سعيد؟ فما الرزق، و الاجل؟ فيكتب فى بطن امه“ [1]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزت نے ماں کے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو کہتا ہے کہ اے رب! یہ نطفہ ہے، اے رب! یہ اب جما ہوا خون ہے، اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہو گیا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کرنا چاہتا ہے، تو وہ فرشتہ پوچھتا ہے: اے رب! مذکر یا مؤنث؟ بد یا نیک؟ اس کا رزق کتنا ہے، نیز اس کی حیات کتنی ہو؟ پھر اس کی ہدایت کے مطابق اس کی ماں کے پیٹ میں سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔“

OOO

[1] بخاری، ج:۱، ص:۱۲۰

چھٹی جھلک:

طرزِ حیات

اِس امر میں کوئی شک نہیں کہ دُنیا میں پیدا ہونے والے ہر انسان کو بہ ہرکیف اپنی زندگی گزارنی ہی ہے، خواہ اسے بہتر حالات سے لطف اندوز ہونے کے مواقع حاصل ہو جائیں، یا جاں گسل حالات سے گزرنا پڑے، دونوں صورتوں میں اسے اسی سرزمین پر جے رہنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو لوگ شعور وآگہی رکھتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کا خوگر بنا لیتے ہیں تا کہ اچانک رونما ہونے والے ناگفتہ بہ صورت حال میں وہ صبر وشکیب کا دامن تھامے رکھیں، تاہم جو عجلت پسند، بے صبرے اور فراست و دانائی کی دولتِ عظمیٰ سے تہی دامن ہوتے ہیں، وہ غیر متوقع صورت حال سے جلد ہی گھبرا جاتے ہیں اور اِضطراب و بے چینی کے سخت ترین لمحات میں ٹھہر نہیں پاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہ کر بھی مردوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ہم نہایت ہی اِختصار کے ساتھ اس باب میں حیاتِ مستعار کے چند پہلوؤں پر بحث کریں گے اور غیر جانب داری کے ساتھ اپنے شب وروز میں ان کے واقعی اثرات کا تحلیلی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

سادگی کا فروغ

اِس امر سے کسے اِنکار ہو سکتا ہے کہ عہد حاضر میں ”کرسیِ اِقتدار“ سے عام طور پر خدمت اِنسانیت نہیں؛ بل کہ عیش وآرام، جاہ وحشمت اور زیادہ سے زیادہ مال ودولت جمع کرنے کی ہوس ہی اوّلین مقصد ہوتا ہے۔ زبان سے سیاسی عمائدین خواہ کچھ بھی کہہ لیں،

تاہم بہ اِستثنائے چند، ان کے شب و روز اِنکشاف کرتے ہیں کہ وہ کس جذبے میں نام نہاد عوامی خدمت گزار بننے کا لبادہ پہن کر بازارِ سیاست میں اترے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ساری دنیا میں کرسی اِقتدار حاصل کرنے والوں کے لیے بڑے بڑے بنگلے، قیمتی گاڑیاں، خدام اور محافظ دستے قانونی طور پر مہیا کرائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ ساری آرائش و زیبائش، شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ کے تمام تر اِخراجات بالواسطہ قومی دولت سے ہی پورے کیے جاتے ہیں، خواہ یہ قومی دولت عوام سے جبراً وصول کیے جانے والے ٹیکس کی صورت میں ہو، یا معدنی ذخائر اور ملکی برآمدات سے حاصل شدہ منافع کی شکل میں، قانونی طور پر وہ ہوتی بہ ہر کیف ہے ملک کے سارے شہریوں کی ملکیت، تاہم عہد حاضر کے نام نہاد جمہوری اقتدار کی پاسداری کے نام پر بے جا برباد کی جا رہی ہے۔ اور ماتم یہ ہے کہ ہم نے متذکرہ نا اِنصافی پر صدائے احتجاج بلند کرنے کی بہ جائے، اسے بہ سروچشم قبول کرلیا۔

آیئے، بہ طور مثال صرف ہندوستان اور پاکستان میں سیاسی شان و شوکت کی جھلکیاں دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

ہندوستانی حکومت:

ہندوستان کے صدر کے لیے بنائی گئی سرکاری عمارت ''راشٹر پتی بھون'' کہلاتی ہے، جس کی تعمیر ۱۹۲۹ء میں ہوئی ہے۔ سچ پوچھیے تو یہ ایک محل نہیں، بل کہ وسیع و عریض محلہ ہے، جو ۳۰۰/ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہے، جن میں بینکوٹ ہال، اسپتال، گالف گراؤنڈ، سوئمنگ پول، ٹینس گراؤنڈ، اسکواش کورٹ، پیٹرول پمپ، دربار ہال، رہائشی کمرے اور ساتھ ہی ساتھ ۱۵/ ایکڑ پر مشتمل حسین و جمیل مغل گارڈن بھی ہے۔ اس میں کل ۳۴۰ کمرے ہیں۔ عمارت کا کل رقبہ ۲/ لاکھ مربع فیٹ پر محیط ہے۔ اسے دنیا میں کسی بھی سربراہِ مملکت کی سب سے بڑی رہائشی عمارت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس کی نگہ داشت اور صدارتی امور کی انجام دہی کے لیے ۲۵/ آفیسر سمیت تقریباً ۱۲۰۰/ اسٹاف شب و روز لگے رہتے ہیں۔ صدر اور راشٹر پتی بھون کے لیے تقریباً ۳۰ کروڑ سالانہ مختص رکھا جاتا ہے۔ (۱)

(۱) Bemoneyaware blog by Kirti, 10 Feb, 2013

یہ تو صرف رہائشی شان و شوکت ہے، جب کہ دوسری مراعات اور سہولتیں تو کہیں زیادہ ہیں۔ اب یہی دیکھیے کہ سابقہ صدر شریمتی پرتیبھا پاٹل نے اپنے پانچ سالہ دورِ صدارت میں بیرونی سفر پر ۲۲۵ کروڑ روپیے خرچ کیا ہے۔ بیرونی دوروں کے لیے بڑے بڑے جہاز چارٹر کیے گئے۔ شرکائے سفر کے قافلہ میں دفتری عملہ، حفاظتی دستہ، خدام اور رشتہ دار بھی رہے۔ مثال کے طور پر ۹-۱۳/ ستمبر ۲۰۱۰ء کے کمبوڈیا کے سفر میں ۸۸/ افراد شریک رہے، ۲۱-۳۰/ نومبر ۲۰۱۰ء کے عرب امارات اور شام کے سفر میں ۹۸/ افراد ساتھ تھے، ۲۴-۲۸/ اپریل ۲۰۱۱ء کے سفر ماریشش میں ۹۹ لوگ شریک سفر تھے، اسی طرح ۲۴-۳۰/ جولائی ۲۰۱۱ء کے کوریا اور منگولیا دوروں پر ساتھ جانے والے خوش نصیب لوگوں کی تعداد ۹۷ تھی۔ اس طرح انھوں نے ۱۴/ بیرونی سفر میں ۲۴ ممالک کی زیارت کی ہے۔

کہتے ہیں کہ شریمتی پرتیبھا پاٹل نے اپنے عہد صدارت کے آخری سفر میں ۱۸.۸/ کروڑ روپیے قومی خزانے سے خرچ کیا ہے۔ صرف ۷۴۷ چارٹر جہاز کے مد میں ۱۶.۳۸/ کروڑ ادا کیے گئے۔ (۱)

خیال رہے کہ ہندوستانی جمہوریت میں صدریوں تو آئینی طور پر سربراہِ مملکت ہوتا ہے، تاہم ملک کے اِنتظامی اُمور میں نہ وہ کوئی دخل اندازی کرتا ہے اور نہ ہی بیرونی دوروں پر برسر اِقتدار سیاسی جماعت کی طرف سے کوئی معاہدہ کرتا ہے۔ اس طرح آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ یہ سارے غیر ملکی دورے کسی بھی طرح نہ ملک کے مفاد میں ہوتے ہیں اور نہ ہی عوامی فلاح و بہبود میں ہی کوئی مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ سوچتے ہی پلکوں کا دامن بھیگ جاتا ہے کہ وہ ملک جہاں کروڑوں لوگ نانِ شبینہ کے لیے دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہے ہوں اور سرد ترین راتوں میں کھلے آسمان تلے ٹھٹھر رہے ہوں، وہاں قومی خزانے سے عیش و عشرت، کیف و سرور اور سیر و تفریح کے لیے ہر سال کروڑوں روپیے ضائع کیے جا رہے ہیں، اور وہ بھی آئین و قانون کے نام پر....... ملکی عزت و وقار کے پس پردہ ......اور مزعومہ پروٹوکول کی دہائی دیتے ہوئے۔

(۱) یہ ساری معلومات سبھاش اگروال نے آر ٹی آئی ایکٹ کے تحت صدارتی آفس سے ۱/ فروری ۲۰۱۳ء کو حاصل کی ہیں، جس کی مکمل پی ڈی ایف کاپی انٹرنیٹ پر موجود ہے

بات بہت کڑوی لگے گی، تاہم اِعترافِ حقیقت کے لیے یہ ضروری بھی ہے۔ تصور کیجیے کہ آپ نے ہزار تکالیف، جدوجہد اور تگ دو کے بعد کچھ دولت پس انداز کی ہو اور کوئی آپ سے اسے یوں ہی بے مقصد برباد کرنے کے لیے کہے، تو آپ کیسا محسوس کریں گے یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اسی پیرایۂ بیان میں قومی خزانے سے متذکرہ دوروں پر ہونے والے بے جا اِخراجات کو قیاس کریں اور فیصلہ ضمیر سننے کے لیے گوش بر آواز رہیے۔

ٹھیک ہے اِنتظامی امور کے سارے مسائل وزیر اعظم سے بہ راہِ راست متعلق ہوتے ہیں اور وہی ملک اور بیرون ممالک کے درمیان مضبوط کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں، تاہم اس کے معنی یہ نہیں ہونے چاہئیں کہ انہیں قومی خزانے کو بے دریغ خرچ کرنے کے جملہ اِختیارات حاصل ہوگئے ہیں۔ لیکن کیا کہیے کہ اعلیٰ ترین عیش و عشرت کے لیے سارے حقوق انھیں آئین کی رو سے حاصل ہیں۔ یقین نہیں آتا تو سنیے کہ پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے ۱۰؍جون ۲۰۱۳ء اعلامیہ کے مطابق ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۳ء تک گذشتہ نو سالوں میں وزیر اعظم من موہن سنگھ نے ۶۷ بیرونی دورے کیے ہیں، جن پر ۶۴۲ کروڑ روپیے سرکاری خزانے سے ادا کیے گئے۔ اسی طرح ۲۰۱۲ء میں صرف برازیل اور میکسکو کے سات روزہ دورہ پر اُنھوں نے ۲۶.۴۴ کروڑ روپیے خرچ کیے ہیں۔

یہ تو رہی صدرِ مملکت اور وزیر اعظم کی شاہ خرچیاں، اب ذرا پارلیامنٹ کے اوقات کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے پارلیمانی امور کے سابق وزیر جناب پاسوان بنسل کا بیان سنیے، جسے اُنھوں نے ۲۰۱۲ء کے تناظر میں دیا تھا:

"In one year, Parliament runs for eighty days during sessions. Each day, business in both Houses are transacted for around six hours. If we take into account the total annual expenditure on Parliament, then for each minute of running the House costs Rs. 2.5 lakh," Parliamentary affairs minister Pawan

Kumar Bansal said. He said 77% of the session's business time in Lok Sabha and 72% in Rajya Sabha was lost due to disruptions in this session." [1]

"پارلیامنٹ کے دونوں ایوان پورے سال میں ۸۰ دنوں تک چلتے رہے اور ہر دن چھ گھنٹے کام ہوا۔ اس طرح ہم پارلیامنٹ کے سالانہ اِخراجات کو تقسیم کریں تو ہر منٹ کا خرچ ڈھائی لاکھ سے زیادہ بنتا ہے۔ اِعترافِ حقیقت کرتے ہوئے پارلیمانی امور کے سابق وزیر جناب پاسوان بنسل کہتے ہیں کہ لوک سبھا کا ۷۷ فی صد وقت اور راجیہ سبھا کا ۷۲ فی صد وقت ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے یوں ہی ضائع چلا گیا۔"

دل پر جبر کر کے ذرا اِخراجات کا تخمینہ لگائیے اور پھر دونوں ایوانوں میں برباد ہونے والے اوقات کے تناسب سے قومی دولت کی تباہی و بربادی کی الم ناک صورت نگاہوں کے سامنے لائیے۔ مجھے یقین ہی نہیں، حق الیقین ہے کہ بڑے سے بڑے سرمایہ داروں کے پیروں تلے زمین نکل جائے گی۔

پاکستانی حکومت:

پاکستان کی مجموعی اِقتصادی حالت ہندوستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ خراب ہے، بل کہ تشویش ناک حد تک خسارے میں بھی ہے، تاہم سیاسی عمائدین کے شاہی ٹھاٹ باٹ سے وہ کسی طور عیاں نہیں ہوتی۔ خواہ وہ صدارتی محل ہو، یا وزیر اعظم سکریٹریٹ، یا قومی اسمبلی کی وسیع و عریض عمارت، سب کی سب، بہت ہی دولت مند ملک پر دلالت کرتی ہیں، جب کہ حال یہ ہے کہ برسر اِقتدار جماعت قوم کی بنیادی ضرورت کے حوالے سے اِقدامات کرنے سے پہلے بیرونی مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

"حق معلومات قانون" کی وجہ سے ہندوستانی حکومت کی شاہ خرچیوں کی حتمی

[1] ہندوستان ٹائمز، ۷؍ستمبر ۲۰۱۲ء

تفصیلات تک رسائی ممکن ہوسکی، تاہم شاید پاکستان میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں ہے، اس لیے ہم گفت گو کرتے ہوئے صرف متعلقہ اِدارہ کے طے شدہ بجٹ پر اِکتفا کریں گے۔

مصدقہ اِطلاعات کے مطابق ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۲ء کے لیے طے ہونے والے بجٹ میں وزیر اعظم سیکریٹریٹ کے لیے ۲۰۷ ملین روپے، وزیر اعظم ہاؤس کے لیے ۳۶۴ ملین روپے، گاڑی کے لیے ۲۷ ملین روپے، ملازمین کے لیے ۱۰۱ ملین روپے اور مرمت کے لیے ۱۲۴ ملین روپے مختص کیے گئے تھے۔

اسی طرح صدر آصف علی زرداری کے صدارتی محل کے لیے ۶۱۶.۷۰ ملین روپے پاس کیے گئے۔ اخباری نمائندہ لکھتا ہے کہ آصف علی زرداری کے پانچ سالہ دورِ صدارت میں صدارتی محل کے بجٹ میں ٪۴۷ کا اِضافہ ہوا ہے، جو کہ ۲۰۰۹ء۔۲۰۰۸ء میں ۳۵۳.۸۴ ملین روپے تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ صرف صدارتی محل کے باغیچہ کا بجٹ ۸.۲ ملین روپے سے بڑھ کر ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۲ء میں ۲۱.۲۰ ملین روپے تک جا پہنچا۔ [1]

موجودہ حکومت بھی بے دریغ خرچ کرنے کے معاملے میں دوسرے سے پیچھے نہیں ہے۔ ۲۰۱۵ء۔۲۰۱۴ء کے بجٹ میں صدارتی محل کے لیے ۷۴۳.۲۵ ملین روپے مختص کیے گئے۔ اسے پورے سال پر تقسیم کریں تو صدر کا یومیہ خرچ ۲.۰۳ ملین روپے بنتا ہے۔ اسی طرح وزیر اعظم سکریٹریٹ کے لیے ۷۷۹.۳۵ کا بجٹ پاس ہوا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وزیر اعظم پر یومیہ ۲.۱۳۵ ملین روپے خرچ ہوتے ہیں۔

خیال رہے کہ صدر کے بیرونی اسفار کے لیے ۳۵۰ ملین روپے اور وزیر اعظم کے بیرونی دوروں کے لیے ۱.۵۷۹ ارب روپے اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ وزیر اعظم کے بیرونی دوروں پر یومیہ ۴۳۲۸۷۵۶ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اعلیٰ قسم کی قیمتی کاروں کی سہولتیں، نیز پروٹوکول کے نام پر اِضافی اخراجات وغیرہ کو بھی تخمیناً اسی فہرست میں شامل کرلیجیے۔ [2]

---

[1] یہ ساری معلومات ڈان اخبار کے شمارہ ۱/ جون ۲۰۱۲ء سے ماخوذ ہے

[2] دیکھیے: *The news, By Shoaib A Raja, June 4, 2014*

اِسلامی حکومت:

اِسلام نے ہر معاملے میں ہمیں میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور فضول خرچی سے منع کیا ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اِعتدال کے ساتھ خرچ کرنے والوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے:

”وَ الَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ کَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا“ [1]

”اور خدائے رحمٰن کے نیک بندے وہ ہیں، جو خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی بے جا اُڑاتے ہیں اور نہ ہی بخالت کرتے ہیں، بل کہ ان دونوں کے درمیان اِعتدال پر قائم رہتے ہیں۔“ (فیضان القرآن)

کوئی شک نہیں کہ قرآن مقدس نے شیطان کی مذمت اور اِظہارِ ناپسندیدگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، بل کہ جگہ جگہ اسے ملعون، مذموم، راندۂ بارگاہ الٰہی اور مسلمانوں کا صریح دشمن قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بات توجہ سے سنی جائے گی کہ فضول خرچی کرنے والوں کو اسی نہایت ہی مذموم و ملعون شیطان سے منسوب کیا جارہا ہے۔

”.....وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا، اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ وَ کَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا“ [2]

”نیز فضول خرچی نہ کرو کہ بلاشبہہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔“ (فیضان القرآن)

اِمام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ مال کو ضائع کرنا، نیز فضول اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔ [3]

”تبذیر و اِسراف“ سے اِجتناب کا خوگر بنانے کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے دورانِ

---

[1] قرآن کریم، سورت: ۲۵، آیات: ۶۷

[2] قرآن کریم، سورت: ۱۷، آیات: ۲۷، ۲۶

[3] دیکھیے: تفسیر کبیر، ج: ۷، ص: ۳۲۸

وضو ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنے کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر رہے تھے جب کہ وہ وضو بنا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اُنھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سعد! یہ کیا اِسراف کر رہے ہو؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ کیا وضو میں بھی اِسراف ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک، گرچہ تم بہتے ہوئے دریا کے پانی سے وضو کر رہے ہو۔ (۱)

اندازہ لگائیں کہ جس مذہب کے نزدیک بہتے ہوئے دریا سے وضو کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ پانی کا خرچ بھی اسراف ہو، اسے فضول خرچی کس قدر ناپسندیدہ ہوگی۔

اس تمہیدی بیان سے مقصود یہ تھا کہ فضول خرچی کے حوالے سے اِسلامی نقطہ نگاہ اچھی طرح واضح ہو جائے اور یہ ہو چکا، لہٰذا اب ہم عنوانِ بحث سے موازنہ کے لیے اسلامی حکومت میں اربابِ اِقتدار کے شب و روز پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں، تاہم اِختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال ذکر کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت تاریخِ اِسلامی میں نہایت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مصدقہ تاریخی شواہد کے مطابق آپ کی کام یاب قیادت تلے دور و نزدیک کے کئی ممالک زیرِ اِقتدار آ گئے، جن میں اِیران، روم، شام، عراق، مصر، آذر بائیجان، آرمینیا، کرمان، مکران، خراسان اور فلسطین وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کے مفتوحہ ممالک کا رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح دولت و ثروت کی کوئی کمی نہ تھی اور اموالِ غنیمت سے بیت المال بھرے ہوئے تھے، تاہم حیرت ہوتی ہے کہ اتنے وسیع و عریض علاقے پر حکومت کرنے والے امیر المومنین نہایت ہی عسرت کے ساتھ اپنے شب و روز گزارتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتے میں شانے کے قریب چار پیوند لگے ہوئے دیکھے۔ اور حضرت ابو عثمان

(۱) دیکھیے؛ سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۱۴۷

النہدی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پائجامے میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ (۱)

شیخ رشید رضا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سادہ طرزِ حیات پر گفت گو کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک باران کی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ اے والدِ گرامی! اللہ رب العزت نے رزق کشادہ کر دیا ہے، نیز آپ کے ذریعہ لق و دق زمینیں فتح کر دی ہیں اور بخشش و عنایات کی کثرت بھی کر دی ہے، لہٰذا آپ بہتر طعام کھایا کریں اور اچھا لباس پہنا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میری لختِ جگر! تمھیں یاد ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے نہایت ہی سخت زندگی گزاری تھی، یاد کرو، یاد کرو......وہ اسی طرح حالات یاد دلاتے رہے یہاں تک کہ اپنی لختِ جگر کو رلا دیا، پھر فرمایا:

”....انی واللّٰہ لئن استطعت لاشارکنھما فی عیشھما الشدید، لعلی القی معھما عیشھما الرخی“ (۲)

”قسم خدا کی اگر میں ان دونوں کی سخت زندگی کے مطابق عمل کر سکتا، تو ضرور کرتا، اس امید پر کہ آخرت میں ان کی آرام دہ حیات تک پہنچ جاؤں۔“

عام طور پر اربابِ اِقتدار اپنے اور اپنے خانوادے کی نگرانی میں چلنے والے تجارت کو فروغ دینے کے لیے قومی دولت سے نہایت ہی ارزاں شرائط پر قرض لیتے ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ملک کے غرباء و مساکین کے لیے ہوئے قرضوں کی عام معافی کا اِعلان کر دیا جاتا ہے اور اسی ”کشادہ قلبی اور اِحسانات“ کے پس پردہ اپنے قرض بھی معاف کروا لیے جاتے ہیں۔

غیرت و حمیت اب بھی دنیا میں زندہ ہے، تو اشک بار آنکھوں کی رفاقت میں سنیے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذاتی تجارت کے لیے کچھ سامان شام بھیجنے کا اِرادہ کیا۔ لہٰذا سرمایہ کی فراہمی کے لیے ایک صحابی رسول ﷺ کی خدمت میں فرستادہ بھیجا کہ وہ چار ہزار درہم بہ طور قرض دے دیں۔ وہ فرستادہ سے کہنے لگے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ بیت

(۱) دیکھیے؛ تاریخ الخلفا، ص:۲۰۴

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ج:۱، ص:۲۹

المال سے یہ رقم لے لیں، پھر بعد میں واپس کر دیں۔ یہ بات جب آپ تک پہنچی تو نہایت
ہی تکلیف ہوئی۔ حضرت عمر ؓ نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو،
تاہم اگر میں بیت المال سے لیا ہوا قرض واپس نہ کر سکا اور موت آ گئی، تو تم لوگ کہو کہ یہ
قرض امیر المومنین نے لیا تھا، اسے رہنے دو، پھر قیامت کے دن مجھ سے محاسبہ کیا جائے گا۔
سنو! مَیں چاہتا ہوں کہ تم جیسے دولت وثروت کے طالب سے قرض لوں تا کہ تم نہایت ہی سختی
کے ساتھ میرے چھوڑے ہوئے مال سے لے لو گے۔ (۱)

اسی طرح حضرت عمر ؓ دورانِ سفر بھی نہایت ہی سادگی کے ساتھ رہتے۔ حضرت
عبد اللہ بن عامر ؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمر ؓ کے ساتھ حج کیا ہے۔ آپ
دورانِ سفر جب کہیں پڑاؤ کرتے تو کوئی شامیانہ یا خیمہ نہیں لگواتے، بل کہ یوں ہی کسی
درخت پر کمبل یا کپڑے کا سائبان ڈال کر آرام کر لیتے تھے۔ (۲)

زیرِ گفت گو عنوان کے اِختتام پر ایک حیرت انگیز واقعہ سماعت کر لیجیے۔ مؤرخین لکھتے
ہیں کہ بیت المقدس پر حملہ کے دوران پادریوں نے یہ اطلاع حضرت ابوعبیدہ ؓ تک
پہنچائی کہ ہم صلح کے لیے تیار ہیں، تاہم شرط یہ ہے کہ تمہارے امیر المومنین خود بہ نفسِ نفیس
ہمارے درمیان آ کر معاہدہ پر دستخط کریں۔ ظاہر ہے کہ مسلمان ہمیشہ امن وصلح کے لیے
تیار رہتے تھے، لہٰذا مزید قتل وخون سے اِجتناب کے لیے یہ بات حضرت عمر فاروق ؓ
تک پہنچائی گئی۔ آپ نے اپنے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد فلسطین جانے کا اِرادہ
فرمالیا۔ زادِ سفر کی صورت میں رسیوں کا ایک تھیلا، ایک اونٹ، ایک غلام اور ایک لکڑی کا
پیالہ لے کر نکل پڑے۔ راستے میں عدل وانصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے یہ طے کر لیا
کہ کبھی اونٹ پر وہ بیٹھیں گے اور غلام اونٹ کی مہار تھامے چلے گا، پھر کبھی اونٹ پر غلام سوار
رہے گا اور وہ خود اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلیں گے۔ چناں چہ اسی طرح راستہ طے ہوتا
رہا یہاں تک کہ جب منزل قریب جھلکنے لگی تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمر ؓ اونٹ کی

(۱) دیکھیے: حضرت عمر بن الخطاب ؓ، ج:۱، ص:۲۹

(۲) دیکھیے: تاریخ الخلفا، ص:۲۰۶

مہار تھامے ہوئے ہیں اور اونٹ پر آپ کا غلام بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ اکبر! یہ عدلِ فاروقی تھا کہ
جو معمول آپ نے بنا لیا تھا اسے حدودِ شہر میں داخلے کے وقت بھی سلامت رکھا۔ اب جب
کہ ایک اجنبی شہر میں داخلے کا وقت قریب آ رہا ہے، لیکن کسی طرح کے پروٹوکول کا نہ ہی
پاس ہے اور نہ ہی لومۃ لائم کا کوئی خیال۔ (۱)

دیکھ رہے ہیں آپ! امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کس قدر سادہ طرزِ حیات
اپنائے ہوئے ہیں، جب کہ دنیا کے سب سے زیادہ زرخیز خطے؛ شام، ایران اور عراق ان
کے زیرِ نگیں ہیں!

حفاظتِ طعام

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ عہدِ جدید کی تہذیب وتمدن کے زیرِ اثر طعام ضائع کرنا
معیوب نہیں رہ گیا ہے، خصوصیت کے ساتھ دعوتوں میں یہ مشاہدہ بارہا کیا گیا ہے کہ لوگ
اپنی پلیٹ کو انواع واقسام کے کھانے سے خوب صورت بنا لیتے ہیں اور اسے پورا ختم نہ
کر کے ایک معتد بہ حصہ یوں ہی کوڑے دان کی نذر کر دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ ''مقدارِ
طعام کے ضیاع'' کا تناسب بھی دولت وثروت، تہذیب وتمدن اور سماجی طبقات کے پس
منظر میں مختلف ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ بہ اِستثنائے چند، عام طور
پر جس قدر لوگ مال دار، مہذب اور اعلیٰ سماجی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اسی قدر وہ طعام
ضائع کرنے میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے قیمتی
ہوٹلوں میں ہونے والی تقریبات میں سب سے زیادہ طعام ضائع ہوتا ہے۔

یہاں متذکرہ پس منظر میں ترقی یافتہ دنیا کے صرف دو ممالک کی رپورٹ پیش کی
جائے گی، تا کہ مرکزی موضوع سے طویل اِنحراف کے نتیجے میں مقصدِ اصلی ہی نگاہوں سے
اوجھل نہ ہو جائے۔

Natural Resources Defeuse Council نامی ایک غیر منافع طلب
عالمی تنظیم ہے، جس کے دفاتر نیویارک، واشنگٹن ڈی سی، لاس اینجلس، سان فرانسسکو،

(۱) دیکھیے: تاریخ اسلام، ج:۱، ص:۳۵۰

لیونگٹن، مانٹانا، شیکاگو اور بیجنگ وغیرہ میں ہیں۔ اس تنظیم کے ۳.۱ رملین سے زیادہ ممبران ہیں، جن میں وکلا، سائنس داں اور دوسرے ماحولیاتی ماہرین شامل ہیں، جو ۱۹۷۰ء سے قدرتی وسائل، صحت عامہ اور ماحول کے تحفظ کے لیے فعال و متحرک کردار ادا کر رہے ہیں۔

امریکہ میں ضیاعِ طعام کے حوالے سے تنظیم کی یہ رپورٹ پڑھیے:

"Yet, 40 percent of food in the United States today goes uneaten. This not only means that American are throwing out the equivalent of $165 billion each year, but also that the uneaten food ends up rotting in landfills as the single largest component of U.S. municipal solid waste where it accounts for a large portion of U.S. methane emissions. Reducing food losses by just 15 percent would be enough food to feed more than 25 million Americans every year at a time when one in six Americans lack a secure supply of food to their tables." ①

’’ان سب کے باوجود، آج ہر سال ۴۰٪ خوراک امریکہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف امریکی عوام ہر سال ۱۶۵ ربلین ڈالر ضائع کر رہی ہے، بل کہ ضائع شدہ خوراک کوڑے کی صورت میں سڑ گل کر امریکی سالڈ ویسٹ میونسپل کا سب سے بڑا حصہ بن جاتی ہے، جو امریکہ میں میتھین گیس کے اِخراج کا بہت بڑا سبب ہے۔ دوسری جانب، صرف ۱۵٪ ر تک غذائی اشیا کے تحفظ سے ہر سال ۲۵ ملین سے زیادہ امریکیوں کے کھانے کے اِنتظامات بہ خوبی کیے جاسکتے ہیں، ایسے وقت میں جب کہ ہر چھ میں سے ایک امریکی کھانے کی میز پر خوراک کی محفوظ فراہمی سے محروم ہے۔‘‘

① NRDC Report, August 2012, By Dana Gunders, Page:1

متذکرہ رپورٹ میں ضیاعِ طعام کے نتیجے میں تین باتیں غور طلب ہیں؛ ۱۶۵ ربلین ڈالر کا نقصان، میتھین گیس کے اِخراج کا بڑا سبب، صرف ۱۵٪ رضیاعِ خوراک کے تحفظ سے ۲۵ ملین بھوکوں کے کھانے کا اِہتمام، یہ ہیں ترقی یافتہ تہذیب کے ثمرات۔

خیال رہے کہ میتھین گیس وہی ہے، جسے ماہرین نہ صرف صحت کے لیے ضرر رساں بتاتے ہیں، بل کہ عالمی حدت کی سب سے بڑی وجہ بھی قرار دیتے ہیں کہ یہ سورج کی نقصان دہ شعاؤں سے دنیا کو محفوظ رکھنے والے قدرتی نظام کو نقصان پہنچا کر ***ground-level ozone*** کے بننے کا بنیادی سبب ہے۔

اور ضیاعِ طعام کے نتیجے میں ’’طاقت وقوت‘‘ کی بربادی کا تماشہ دیکھنے کی خواہش ہو تو یہ تحقیقی رپورٹ پڑھیے:

"Now the U.S. Department of Agriculture has provided us with a way to understand our flagrant annual waste in terms of calories, too. It's pretty mind-boggling — 141 trillion calories down the drain, so to speak, or 1,249 calories per capita per day." ①

’’اب تو امریکی محکمہ زراعت نے ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے سالانہ ضیاعِ طعام کو کیلوریز (Calories) کے پیرایۂ بیان میں بھی فراہم کردیا ہے۔ یہ واقعی حیرت انگیز ہے کہ ۱۴۱ رٹریلین کیلوریز یوں ہی ضائع چلی جاتی ہے، یا یوں کہہ لیں کہ ۱۲۴۹ رکیلوریز فی کس یومیہ ضائع ہوتی ہے۔‘‘

ویسے تو یہ غذائی اجناس پیداوار سے لے کر بڑے بڑے ذخائر، پیکنگ، تقسیم اور خردہ فروشوں کے ذریعہ بھی ضائع ہوتی ہیں، تاہم سب سے زیادہ طعام عام لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچنے کے بعد ضائع ہوتا ہے، یعنی غذائی اجناس ۲۷٪، سمندری غذا ۳۳٪، سبزی ۲۸٪، گوشت ۱۲٪ اور دودھ ۱۷٪ رکوڑے دان کی نذر ہوجاتا ہے۔ ②

① NPR , Food for thought By Eliza Barclay, Feb 27,2014

② NRDC Report, August 2012, By Dana Gunders, Page:6

اور مزید سنیے کہ ضیاعِ طعام سے صرف صحت عامہ اور ماحولیاتی تبدیلیاں ہی متاثر نہیں ہوتی، بل کہ اسے کوڑے کی صورت میں ٹھکانے لگانے کے لیے حکومتیں اِقدامات کرتی ہیں، جن پر قومی خزانے سے اچھی خاصی رقم خرچ ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں، بل کہ متذکرہ حوالے سے تحقیق وجستجو کرنے والے یہاں تک کہتے ہیں کہ غذائی اجناس کے تحفظ کو یقینی بنا کر عالمی بازار میں اشیائے خورونوش کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔

"And if we could actually reduce this staggering quantity of food waste, the price of food worldwide might go down, according to a report from researchers at USDA's Economic Research Service, Jean Buzby, Hodan Wells and Jeffrey Hyman." ①

''یو ایس ڈی اے معاشی تحقیقی خدمات' نامی ادارہ کے بینر تلے تحقیق کرنے والے جین بوزبی، ہالڈن ویلس اور جیفری ہیمین کی رپورٹ کے مطابق اگر ہم اتنی بڑی مقدار میں کھانا ضائع ہونے کو کسی طرح کم کرسکیں، تو عالمی بازار میں غذائی اجناس کی قیمتیں بھی کم ہوسکتی ہیں۔''

دیکھ رہے ہیں آپ! اشیائے خورونوش کے ضیاع کے اثرات کس قدر وسیع ہوتے چلے جارہے ہیں، جب کہ تحفظ طعام سے نہ صرف صحت عامہ، ماحول اور ملکی معیشت بہتر ہوسکتی ہے، بل کہ لاکھوں بھوکے انسانوں کے پیٹ بھی بھر سکتے ہیں۔ کیا عجب کہ یہ عارضی فراہمی طعام ان میں زندہ رہنے کا نیا حوصلہ پیدا کردے اور وہ پھر سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوجائیں۔

عہد جدید کی تہذیبی روایات کے نشو وارتقا میں، بہت ہی معتمد نام برطانیہ کا بھی ہے، جو اشیائے خورونوش کے ضائع کرنے میں کسی سے قطعی پیچھے نہیں ہے، بل کہ بہتوں سے تو نمایاں طور پر پیش پیش ہی ہے۔ اندازہ لگائیں کہ برطانیہ میں ضیاعِ طعام کی مقدار اس قدر بڑھ گئی

① NPR , Food for thought By Eliza Barclay, Feb 27,2014

ہے کہ حکومت کو تحفظ طعام کے بارے میں مناسب مشورہ دینے کے لیے **Waste & Resources Action Programme (Wrap)** نامی ایک محکمہ قائم کرنا پڑا ہے۔

بہ ہرکیف، متذکرہ حوالے سے تحقیقی رپورٹ کا یہ حصہ پڑھیے:

"The average UK family is wasting nearly £60 a month by throwing away almost an entire meal a day, according to a new report that reveals the scale of the ongoing challenge to reduce household food waste.

Britons are chucking out the equivalent of 24 meals a month, adding up to 4.2 million tonnes of food and drink every year that could have been consumed. Almost half of this is going straight from fridges or cupboards into the bin. One-fifth of what households buy ends up as waste, and around 60% of that could have been eaten." ①

''گھریلو طعام کے ضیاع کو کم کرنے کی مہم پر شائع شدہ حالیہ رپورٹ کے مطابق یومیہ ایک وقت کا کھانا ضائع کرنے کے حساب سے ایک برطانوی خاندان ماہانہ ۶۰ پاؤنڈ کا طعام برباد کرتا ہے۔ برطانوی خاندان ۲۴ خوراک ہر ماہ ضائع کردیتا ہے، جو کہ سالانہ ۴.۲ ملین ٹن اشیائے خورونوش کے ضیاع کا سبب ہے، جسے بہ ہرکیف اِستعمال کیا جاسکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس میں سے آدھی مقدار تو ایسی ہوتی ہے، جو فریج اور الماریوں سے سیدھے کوڑے دان کے حوالے کردی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک خاندان جو کچھ بازار سے خریدتا ہے، اس کا پانچواں حصہ یوں ہی برباد چلا جاتا

① he Guardian, Section Food by Rebecca Smithers, 6 Nov, 2013

ہے، جس کا ٪۶۰ حصہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اِستعمال کیا جاسکتا تھا۔"

خیال رہے کہ برطانوی معاشرے میں دیگر اشیاے خورونوش کے ساتھ ساتھ گوشت، مچھلی، پاؤروٹی اور دودھ جیسی پیٹ بھرنے کی بنیادی چیزیں بھی بڑی مقدار میں ضائع ہو رہی ہیں۔

"There has been no progress in reducing meat and fish wastage, with Britons still throwing away the equivalent of 86 million chickens every year. The top three foods being thrown away uneaten in British homes are bread, potatoes and milk. The equivalent of 24m slices of bread, 5.8m potatoes and 5.9m glasses of milk are being wasted daily, while even cakes and pastries make it into the top 10 most wasted items." (1)

"گوشت اور مچھلی کے یوں ہی ضیاع پر کوئی کمی نہیں آئی ہے، کیوں کہ برطانوی باشندے اب بھی تقریباً ۸۶ ملین مرغے ہر سال پھینک دیتے ہیں۔ پاؤروٹی، ٹماٹر اور دودھ سب سے زیادہ ضائع ہونے والی تین چیزیں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۴ ملین پاؤروٹی سلائس، ۵.۸ ملین ٹماٹر اور ۵.۹ ملین گلاس دودھ ہر دن ضائع کیے جاتے ہیں، جب کہ کیک اور پسٹری بھی سب سے زیادہ ضائع ہونے والی دس اشیا میں شامل ہیں۔"

قرآنِ مقدس میں تحفظ طعام کی ہدایت:

تہذیب جدید کے نتیجے میں برباد ہونے والی اشیاے خورونوش کی افسوس ناک تفصیلات پر اچٹی ہوئی نگاہ ڈالنے کے بعد، اب ذرا دیکھیے کہ اسلامی تعلیمات کس طرح اپنے پیروکاروں کو ضیاعِ طعام سے روکنے کی کام یاب کوششیں کرتی ہیں۔

(1) **The Guardian, Section Food by Rebecca Smithers, 6 Nov, 2013**

سب سے پہلے تو اِسلام کے نزدیک انواع واقسام کے طعام اللہ رب العزت کی بیش بہا نعمتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بات راسخ کرادی جائے کہ طعام بھی نعمت خداوندی ہے، لہٰذا لاشعوری طور پر ہی سہی، ذہن و دماغ میں اس کی قدر کرنے کا جذبہ صادقہ پروان چڑھنا نہایت ہی فطری امر ہے۔

اشیاے خورونوش کے پس منظر میں آیاتِ اِلٰہیہ ملاحظہ فرمائیں!

۱- انواع واقسام کے نباتات کے حوالے سے پڑھیے:

"وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ، وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ" (1)

"اُسی نے زمین کو پھیلا دیا ہے اور اس پر پہاڑ ایستادہ کردیے اور نہریں نکال دیں، اُسی نے ہر قسم کے پھلوں میں جوڑے بنائے، وہی ہے جو دن کے اُجالے کو رات کی سیاہ چادر سے پوری طرح ڈھانپ دیتا ہے، بلاشبہ عقل و شعور رکھنے والوں کے لیے اِن حقائق و اِنکشافات میں بہت ساری نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ طرح طرح کے زمینوں کے ٹکڑے ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں، ان پر انگوروں کے باغات ہیں، لہلہاتی ہوئی کھیتیاں ہیں، کھجور کے ایسے درخت بھی ہیں، جو ایک ہی جڑ سے نمودار ہوئے ہیں اور ایسے بھی جو الگ الگ ایستادہ ہیں، جب کہ ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، ہم پھلوں کو ذائقے میں ایک دوسرے پر برتری دیتے ہیں، بے شک شعور و آگہی رکھنے والوں کے لیے ان میں بڑی ہی نشانیاں ہیں۔" (فیضان القرآن)

(1) قرآن کریم، سورت:۱۳، آیات:۳، ۴

۲- زمینی پیداوار کے بارے میں پڑھیے:

''وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ'' [1]

''جو اچھی زمین ہے، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے، جب کہ خراب زمین سے تو بس برائے نام پیدا ہوتا ہے، ہم اسی طرح شکر گزار بندوں کے لیے اپنی نشانیاں مختلف زاویوں سے کھول کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں۔'' (فیضان القرآن)

۳- شہد کے حوالے سے پڑھیے:

''وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ، ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ'' [2]

''آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں کے دامن میں، درختوں میں اور بلند و بالا چھتوں پہ اپنے لیے چھتہ بنالے۔ پس تو مختلف پھلوں کے رس چوستی رہ، پھر اپنے پروردگار حقیقی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتی رہ، ان مکھیوں کے شکم سے ایسے رنگ بہ رنگ کے شربت نکلتے ہیں، جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بلاشبہہ اس قدرتی کرشمہ سازی میں ان کے لیے بڑی نشانی ہے، جو فکر و تدبر کرتے رہتے ہیں۔'' (فیضان القرآن)

۴- آبی غذا کے بارے میں اسے دیکھیے:

''وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ

[1] قرآن کریم، سورت:۷، آیت:۵۸

[2] قرآن کریم، سورت:۱۶، آیات:۶۸،۶۹

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'' [1]

''اُسی نے سمندر کو مسخر کر دیا، تا کہ اُس سے ترو تازہ گوشت کھاؤ اور بیش قیمت گوہر و مرجان برآمد کرو، جسے تم زیب و زینت کے لیے پہنا کرتے ہو، پھر یہ بھی تمھارے مشاہدے میں ہے کہ سطحِ آب پر بڑی بڑی کشتیاں موجوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہتی ہیں، تا کہ تم اللہ کی نعمتیں تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بن جاؤ۔'' (فیضان القرآن)

۵- جانوروں کے گوشت کے بارے میں پڑھیے:

''وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ'' [2]

''اور چوپائے پیدا کیے، جن کی کھالیں تمھیں گرمی پہنچانے والی پوشاک فراہم کرتی ہیں، نیز ان میں تمھارے لیے طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی ہیں، نیز ان میں ایسے جانور بھی ہیں، جن کے تم گوشت کھاتے ہو۔''

(فیضان القرآن)

۶- دودھ جیسی نعمت کے بارے میں غور کیجیے:

''وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّارِبِيْنَ'' [3]

''بلاشبہہ تمھارے لیے مویشیوں کے وجود میں بھی درسِ عبرت ہے، ہم ان کے پیٹ میں موجود خون اور غلاظت کے درمیان سے تمھیں خالص دودھ مہیا کرتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے نہایت ہی فرحت بخش ہے۔''

(فیضان القرآن)

۷- تخم ریزی اور باد و باراں کے بارے میں ملاحظہ کیجیے:

''اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ، ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ،

[1] قرآن کریم، سورت:۱۶، آیات:۱۴

[2] قرآن کریم، سورت:۱۶، آیت:۵

[3] قرآن کریم، سورت:۱۶، آیت:۶۶

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ، اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ، بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ، اَ فَرَاَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ، ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ، لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ‘‘ (1)

’’کیا تم نے کبھی اپنے پودے کے بونے پر غور کیا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ کیا تم اُسے اُگاتے ہو، یا ہم اُگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے تباہ و برباد کر کے ریزہ ریزہ کر ڈالیں، پھر تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔ اور کہنے لگو کہ ہم تو قرضوں تلے دب کر رہ گئے ہیں۔ بل کہ ہم ہی بڑے بدنصیب ہیں۔ کیا تم نے کبھی اس پانی پر غور کیا ہے، جو پیتے ہو۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ کیا تم اسے برساتے ہو، یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے نہایت کھاری بنا دیں، پھر تم ادائے شکر کیوں نہیں کرتے۔‘‘ (فیضان القرآن)

خالق کائنات کی طرف سے اشیائے خورونوش کی صورت میں کائنات کی وسعتوں میں بکھرے اِنعامات و اِحسانات کے جلوے دیکھ لینے کے بعد، یہ بھی سن لیجیے کہ اللہ رب العزت اپنی بیش بہا نعمتوں کے حوالے سے کیا چاہتا ہے:

’’فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ‘‘ (2)

’’پس اللہ کے عطا کردہ حلال و پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ اور واقعی اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو، تو پھر اس کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو۔‘‘

(فیضان القرآن)

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ نعمت اِلٰہی کے تحفظ کے بغیر ادائے شکر کے تقاضے کسی طور پورے نہیں ہو سکتے۔ اِس لیے یہ بجا طور پر کہیے کہ قرآنِ مقدس میں اللہ رب العزت نے ہم پر ہونے والے اپنے فضل و عنایات کے تذکرے کے پیرایۂ بیان میں ان کے ضائع نہ

(1) قرآن کریم، سورت: ۵۶، آیات: ۶۳۔۷۰

(2) قرآن کریم، سورت: ۱۶، آیت: ۱۱۴

کرنے کی در پردہ تعلیم بھی دی ہے.......اور بلاشبہ یہ اندازِ بیان اپنے آپ میں قابل ستائش بھی ہے، نہایت ہی پُرکشش بھی ہے، دیدہ زیب بھی ہے، اچھوتا بھی ہے، اور زود اثر بھی۔

احادیث میں تحفظ طعام کی ہدایت:

اِنعاماتِ خداوندی کے تحفظ کے حوالے سے بنیادی گفت گو گزر چکی ہے، اب تحفظِ اشیائے خورونوش کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے اِرشاداتِ نبوی ﷺ بھی ملاحظہ فرمالیں، تا کہ زیر بحث گفت گو ہر چہار جوانب سے مکمل ہو جائے۔

عیب نکالنے کی ممانعت:

سرکارِ دوعالم ﷺ کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے۔

’’مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم طَعَامًا قَطُّ ، اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهٗ ، وَ اِلَّا تَرَكَهٗ‘‘ (1)

’’سرکار دوعالم ﷺ کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے، اگر اچھا لگے تو اسے کھا لیتے، ورنہ چھوڑ دیتے۔‘‘

دیکھ رہے ہیں آپ! لاشعوری طور پر کھانے کی قدر کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان کھانے میں عیب نکالنے سے اِجتناب کرے گا، تو اس کی ناقدری سے بہ درجہ اولیٰ اِجتناب کرے گا۔

پلیٹ سے گرا ہوا طعام اُٹھانے کی ہدایت:

اگر کسی وجہ سے کھانا پلیٹ سے دسترخوان پر گر جائے اور وہ جگہ صاف ستھری ہو، تو چاہیے کہ اسے اٹھا کر کھالے، ورنہ اسے دھو کر کھائے اور کوڑے دان میں نہ ڈالے۔

’’قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم: اَكْرِمُوا الْخُبْزَ فَاِنَّهٗ مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ اَكَلَ مَا سَقَطَ مِنَ السُّفْرَةِ غُفِرَ لَهٗ‘‘ (1)

(1) بخاری، ج: ۳، ص: ۱۳۰۶

(2) جامع المسانید والمراسیل، ج: ۶، ص: ۶

''سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم روٹی کی قدر کرو، اس لیے کہ یہ آسمان و زمین کی برکات میں سے ہے، اور جو پلیٹ سے گری ہوئی روٹی اُٹھا کر کھالے، تو اُس کی بخشش مغفرت ہو جاتی ہے۔''

مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث بھی پڑھیے:

''قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم: اِذَا سُقِطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِکُمْ، فَلْیُمِطْ مَا عَلَیْھَا مِنْ اَذًی ثُمَّ لِیَاْکُلْ وَ لَا یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ'' (1)

''سرکارِ دوعالم ﷺ اِرشاد فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کا کوئی لقمہ گر جائے، تو چاہیے کہ اس میں جو تکلیف دہ چیز لگ گئی ہے، اُسے صاف کرلے اور اُسے کھالے، اور اُسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔''

یہاں بھی نہایت ہی خوب صورت اِستدلال بیان کے ذریعہ کھانے کی ناقدری سے بچانے کی کام یاب کوشش کی جارہی ہے۔ کسے خبر نہیں کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ اور یہ فہم وفراست کے خلاف ہے کہ ہم اپنے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ دست تعاون دراز کریں اور اسے اپنے کھانے میں شریک کریں۔ لٰہذا جسے اپنے مالک حقیقی کی رضا جوئی مطلوب ہے، وہ رضاے الٰہی کی راہ میں آڑے آنے والے خبیث ترین دشمن کے طعام کا اِہتمام کسی قیمت پر نہیں کرسکتا ہے۔

دوسرا نکتہ جو نہایت ہی توجہ طلب ہے، وہ یہ کہ سرکار دوعالم ﷺ ارشاد فرمارہے ہیں کہ ''کوئی لقمہ تم سے گرجائے'' تو اسے اٹھا کر کھالو۔ ظاہر ہے کہ جب کسی وجہ سے گرجائے، تو اسے اٹھا کر کھالینے کی ہدایت دی جارہی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے جان بوجھ کر کوڑے دان کی نذر کردیا جائے۔ یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ جو مذہب نادانستگی میں گرے ہوئے کھانے کے ضائع ہونے پر خاموش نہیں رہ سکتا، وہ جان بوجھ کر طعام کے ضیاع کو کیوں کر گوارا کرسکتا ہے؟

(1) مسند احمد، ج:۴، ص:۲۹۳

پلیٹ پوچھنے کی ہدایت:

کھانا کھالینے کے بعد چاہیے کہ پلیٹ اچھی طرح پوچھ کر چاٹ لے اور کھانے کا کوئی حصہ پلیٹ میں نہ چھوڑے۔

سرورِ کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم: ....لَا یَرْفَعُ الصَّحْفَةَ حَتّٰی یَلْعَقَھَا اَوْ یُلْعِقَھَا، فَاِنَّ آخِرَ الطَّعَامِ فِیْهِ بَرَکَةٌ'' (1)

''......کوئی پلیٹ نہ اٹھائے، یہاں تک کہ اسے خود چاٹ لے، یا کسی دوسرے کو چٹادے، اس لیے کہ بے شک کھانے کے آخری حصہ میں برکت ہوتی ہے۔''

یہاں کھانا پھینک دینے کی ممانعت نہیں ہورہی ہے، بل کہ کھانے کے بعد پلیٹ میں جو حصہ ادھر ادھر چپکا رہ جاتا ہے، اسے پلیٹ دھونے کے دوران پانی کے ساتھ کوڑے کے حوالے کرنے سے منع کیا جارہا ہے۔ کیا کہنے ہیں اسلامی تعلیمات کے، جس نے ضیاعِ طعام کی جڑ ہی کاٹ کررکھ دی ہے۔ اب نہ کوئی پلیٹ سے چسپاں طعام کے چند ذرات یوں ہی چھوڑ دینے کی جرات کرے گا اور نہ ہی بربادیِ طعام کے مذموم خیالات اس کے ذہن و دماغ میں اپنی جگہ بنا پائیں گے۔

اور یہ تعلیم بھی کس قدر پرکشش پیرایۂ بیان میں ہے کہ طعام کے آخری حصہ میں برکت پنہاں ہے۔ اب یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ ہم حصول برکت کے کس قدر مشتاق رہتے ہیں..... اور حصولِ برکت کے متلاشی سے یہ توقع کبھی بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ہاتھ آئے ہوئے مخزنِ برکات سے فیض یاب ہونے کی کوشش نہیں کرے گا!

حکمت ودانائی

حکمت و دانائی پر مشتمل باتوں کے قبول کرنے کے لیے تیار رہنے کا دعویٰ کرنا نہایت ہی سہل ہے، تاہم کشادہ قلبی کے ساتھ عملی طور پر انہیں قبول کرلینے کی مثالیں قائم کردینا، کوئی

(1) نسائی، ج:۴، ص:۱۷۷

معمولی بات نہیں۔ کوئی شک نہیں کہ طرزِ حیات کی سادگی کے پس منظر میں یہ بات نہایت ہی اہم ہے کہ لوگ صرف حکمت و دانائی کے متلاشی رہیں اور جوں ہی وہ کہیں ہاتھ لگے، اسے لینے میں کسی طرح کے پس وپیش سے کام نہ لیں۔

اور یہ بات بھی پیشِ نگاہ رہے کہ لوگ کبھی کبھی حکمت و دانائی کی باتیں قبول بھی کرتے ہیں، تو صرف اپنوں اور بڑوں سے، لیکن قربان جائیے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کی تمام تر توجہ صرف ''حکمت و دانائی'' پر ہوتی ہے، وہ یہ نہیں دیکھتی کہ کدھر سے آرہی ہے اور لانے والا کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔

اِس پس منظر میں یہ مشہور ومعروف حدیث پاک سماعت فرمائیں:

''الکلمة الحکمة ضالة المؤمن، حیثما وجدھا فھو احق بھا'' [1]

''سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ کلمۂ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے، پس جہاں بھی اسے پائے، تو وہ اسے قبول کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔''

جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ اپنے بڑوں کی بھلی باتیں قبول کرنے کی بہتیری مثالیں تاریخِ انسانی میں مل جاتی ہیں، اِس لیے تاریخِ اِسلامی سے ایسی مثالیں پیش کرنا کوئی دانش مندی نہیں ہے، لہٰذا ہم صرف یہاں چند ایسی مثالوں پر اِکتفا کریں گے، جو چھوٹوں، غیروں اور دشمنوں کی طرف سے آئی ہوں۔

خادم کی طرف سے:

مستند تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے اذان دینے کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور اُنھیں نماز کی دعوت دیتے تھے۔ آگے کی روداد خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے!

''عَنْ بِلَالٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ و سلم یُؤْذِنُہٗ بِالصُّبْحِ فَوَجَدَہٗ رَاقِدًا، فَقَالَ: ''اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ'' مَرَّتَیْنِ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم: مَا

[1] اِبن ماجہ، ج:۲، ص:۱۳۹۵

اَحْسَنَ ھٰذَا یَا بِلَالُ، اِجْعَلْہُ فِی اَذَانِکَ'' [1]

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب وہ سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں نماز کے لیے تشریف لانے کی گزارش لیے حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ آپ ﷺ آرام فرمارہے ہیں، تو وہ کہہ پڑے: نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے۔ جب سرکار دوعالم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بلال! یہ کس قدر اچھی بات ہے، ایسا کرو کہ اب اسے اپنی اذان کا حصہ بنالو!''

ہو سکے تو اسے دوبارہ پڑھ لیں، تا کہ کسی طرح کا کوئی شک وشبہہ باقی نہ رہے۔ غور کریں کہ اچھی بات قبول کرنے والے اِمام الانبیا ہیں اور اچھی بات کہنے والے سابق حبشی غلام ہیں، تاہم کسی اچھی بات کے قبول کرنے میں نہ مرتبہ ومقام حائل ہورہا ہے، نہ فضل و شرف آڑے آرہا ہے اور نہ ہی منصبِ نبوت ورسالت مانع ہے۔

کہنے دیجیے کہ معلم کائنات نے اپنے ایک خادم کی اچھی بات قبول کر کے عملی طور پر یہ درسِ حیات دے دیا ہے کہ ہمیں حکمت و دانائی کی باتیں سننے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، خواہ وہ کسی چھوٹے، حتیٰ کہ خادم وغلام ہی کی طرف سے کیوں نہ آئے۔

چھوٹے کی طرف سے:

کہتے ہیں کہ اِبتداے اِسلام میں جب کسی کی کچھ رکعتیں چھوٹ جاتی تھیں، تو وہ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے نمازی سے پوچھ لیتا تھا کہ کتنی پڑھی جاچکی ہیں، پھر وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے بعد جماعت میں شامل ہوجاتا تھا، تاہم ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی چند رکعتیں چھوٹ گئیں۔ اُنھوں نے بہ جاے کسی سے پوچھنے کے، آتے ہی جماعت میں شمولیت اِختیار کرلی۔ جب جماعت ختم ہوگئی، تو وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھنے لگے کہ اتنے میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے اُنھیں رکعتیں ادا کرتے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے اس طریقہ ادائیگی کی تحسین فرمائی اور لوگوں سے کہا کہ اب تم اسی طرح کیا کرو! [1]

[1] معجم کبیر طبرانی، ج:۱، ص:۳۵۵ [2] دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۳۳۵

یہ بات کہنے کی نہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جو اپنے مرکزِ عقیدت ﷺ کے اطاعت گزار ہیں، یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ 'مطیع' ہیں اور آپ ﷺ 'مطاعِ کامل'..... اور عام طور پر کسی مطاع سے توقع نہیں کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو اپنے ہی کسی مطیع کی بات پر عمل کرنے کی ہدایت دے، تاہم ایک بات پسند آگئی ہے، تو سارے فرسودہ معاشرتی ضابطے پرے رکھ دیے گئے ہیں اور اسے دوسروں کو بھی اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اور یہ نکتہ بھی پیشِ نگاہ رہے کہ یہ ''اچھی بات'' کسی دنیاوی معاملات سے منسوب نہیں ہے، بل کہ عبادتِ الٰہی سے اور وہ بھی اہم ترین، لیکن پھر بھی یہ وہم حاشیۂ ذہن میں نہ آیا کہ اپنے سے چھوٹوں کی باتوں کو طریقہ نماز کا حصہ کیوں کر بنایا جائے؟ کیا اس سے بڑھ کر حکمت و دانائی کے اختیار کر لینے کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے؟

غیر کی طرف سے:

بات خادم کی ہو یا چھوٹے کی، وہ تھے تو بہ ہر کیف اپنے ہم مذہب، اس لیے ممکن ہے کہ کسی کے نزدیک یہ مثالیں بہت زیادہ حیرت انگیز نہ ہوں، تاہم اسلام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے آنے والی بھلی باتوں کے بھی قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ متذکرہ پس منظر میں حدیثِ پاک ملاحظہ فرمائیں:

''عن عائشة رضی الله عنها: ان یهودیة دخلت علیها فذکرت عذاب القبر، فقالت لها: اعاذك الله من عذاب القبر، فسالت عائشة رضی الله عنها رسول الله صلی الله علیه و سلم عن عذاب القبر، فقال: نعم، عذاب القبر، فقالت عائشة رضی الله عنها: فما رایت رسول الله بعد صلی صلاة الا تعوذ من عذاب القبر'' (1)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودی خاتون ان کے پاس آئی

(1) بخاری، ج:۱، ص:۴۶۱

تو عذابِ قبر کا ذکر چھڑ گیا، اس پر وہ کہنے لگی کہ تجھے اللہ تعالیٰ عذابِ قبر سے بچائے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عذابِ قبر کے متعلق رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ برحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد مَیں نے رسول اکرم ﷺ کو ہمیشہ دیکھا کہ وہ نماز ادا کرنے کے بعد عذابِ قبر سے نجات کی دعا کرتے تھے۔''

ملاحظہ فرمائیے کہ بھلی بات ایک یہودی خاتون کی جانب سے آرہی ہے، تاہم نبی مکرم ﷺ اسے بھی قبولیت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں سادہ طرزِ حیات، جس کی نگاہ صرف بھلی باتوں پر ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کہاں سے آرہی ہے؟

دُشمن کی طرف سے:

کوئی شک نہیں کہ شیطان ہمارا سب سے بڑا دُشمن ہے اور اس سے کسی بھلی بات کی توقع رکھنا قطعی فضول ہے، تاہم تاریخِ اسلامی کے صفحات میں ایک نہایت ہی عجیب و غریب واقعہ پر نگاہ پڑتی ہے، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے آنے والی ایک بھلی بات کی بھی پذیرائی ہوئی ہے۔

بہتر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی اسے سنیں، جو خود واقعہ کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے سرکارِ دوعالم ﷺ نے مالِ زکوٰۃ کے تحفظ کی ذمہ داری دے دی۔ مَیں نے دیکھا کہ رات کے وقت چپکے سے کوئی شخص آیا ہے اور غذائی اجناس لے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مَیں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ قسم خدا کی مَیں تجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ گڑگڑانے لگا کہ غریب اور حاجت مند بھی ہوں اور کثیر العیال بھی، لہٰذا مَیں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح جب بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا، تو مجھے دیکھتے ہی آپ ﷺ نے پوچھ لیا۔ مَیں نے ساری روداد سنا دی۔ آپ کہنے لگے کہ وہ جھوٹا ہے اور دوبارہ آئے گا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کے کہنے کے مطابق وہ ضرور آئے گا، لہٰذا مَیں تاک میں لگا رہا تو دیکھا کہ وہ پھر آیا اور اناج اکٹھا کرنے لگا۔ مَیں نے اسے پکڑ لیا، پھر

قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اس بار مَیں تجھے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں ضرور لے جاؤں گا۔ وہ پھر عذر پیش کرنے لگا اور مَیں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت جب بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوا، تو آپ نے پوچھ لیا کہ اے ابو ہریرہ! تیرے رات کے چور کا کیا بنا؟ مَیں نے پھر وہی بات دہرادی، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اُس نے جھوٹ بولا ہے اور وہ دوبارہ آئے گا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی باتوں پر مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، لہٰذا مَیں آج پھر تاک میں تھا کہ اتنے میں وہ چپکے سے آیا اور اناج اٹھانے لگا۔ مَیں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ یہ تیسری بار ہے، اب تو مَیں ضرور تجھے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے چھوڑ دو، مَیں تمھیں ایسے کلمات سکھائے دیتا ہوں کہ جنھیں سوتے وقت پڑھ لوگے، تو اللہ رب العزت کی طرف سے تمھارے لیے ایک محافظ رہے گا، جو صبح تک شیطان سے تمھیں محفوظ رکھے گا، تو مَیں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت جب بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا، تو آپ نے پھر پوچھ لیا کہ تمھارے رات کے چور کا کیا بنا؟ تو مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ گمان کر رہا تھا کہ اس نے مجھے ایسے کلمات سکھا دیے ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ رب العزت مجھے فائدہ پہنچائے گا، تو مَیں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ مَیں نے عرض کیا کہ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم بستر میں جانے لگو تو آیت کرسی پوری پڑھ لو۔ اللہ رب العزت کی جانب سے تمھارے لیے ایک محافظ رہے گا، جو تمھیں صبح تک شیطان سے محفوظ رکھے گا، (اور کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ بھلائی کی باتوں کے بہت زیادہ حریص تھے) سرکار دوعالم ﷺ نے یہ سننے کے بعد اِرشاد فرمایا:

"انه قد صدقك و هو كذوب، تعلم من تخاطب مذ ثلاث ليال يا ابا هريرة؟ قال: لا، قال: ذاك شيطان" (1)

"اُس نے تم سے سچی بات کی ہے، تاہم وہ ہے تو بڑا جھوٹا۔ اے ابو ہریرہ! جانتے ہو تم تین دنوں سے کس سے مخاطب تھے؟ اُنھوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔"

(1) بخاری، ج:۲، ص:۸۱۲

ساتویں جھلک:

جرم وسزا

اِنسان خطا ونسیان سے مرکب ہے، کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی لغزش ہوجاتی ہے اور وہ معصیت وگناہ کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ اور یہ بات فطرتِ اِنسانی میں ایسی رچی بسی ہے کہ سارے لوگ اِس زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہیں، خواہ وہ کوئی زبان بولتے ہوں، کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، کسی رنگ ونسل سے وابستہ ہوں، یا کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہوں، حتی کہ مذہب اِسلام ہی کے پیروکار کیوں نہ ہوں، کبھی دانستہ طور پر اور کبھی نادانستگی میں ایسے اقدامات ہوجاتے ہیں، جو معصیت وگناہ کے زمرے میں آتے ہیں، ہاں یہ اور بات کہ اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے جسے گناہوں، لغزشوں اور معصیتوں سے محفوظ رکھنا چاہے، تو یہ اس کی قدرتِ کاملہ سے قطعی بعید نہیں ہے، کہ جو اپنی مخلوقات میں سے انبیا اور ملائکہ کو ہمیشہ کے لیے اِرتکابِ خطا سے معصوم رکھے، وہ کسی انسان کو معصیت سے بچالے، تو تعجب وحیرت کیسی؟

آئیے ہم اسی فطرت انسانی کے پس منظر میں اِسلامی ہدایات پر نگاہ ڈالتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جرم وخطا کے ممکنہ مسائل کے حل کے لیے اِسلام نے کیا اِقدامات کیے ہیں۔

سابقہ موضوعات کی طرح، متذکرہ موضوع پر بھی چند ذیلی عناوین کے تحت بحث کی جائے گی اور بہ وقت ضرورت، عصر حاضر کے مروّجہ حالات سے تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے غیر جانب دارانہ تجزیہ بھی نگاہوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

تصورِ عفو و درگزر

اللہ ربّ العزت قہار و جبار بھی ہے اور ستار و غفار بھی، یعنی اس کی گرفت بھی نہایت ہی سخت ہے اور وہ رحم و کرم بھی خوب فرماتا ہے۔ اس طرح وہ سزا دینے میں سخت ہے، تو عفو و درگزر کرنے میں بھی لاثانی ہے۔ بڑی سے بڑی خطاؤں کے بعد بھی مالک حقیقی کی بارگاہ میں عفو و درگزر کی التجائیں شرفِ قبولیت سے نوازدی جاتی ہیں۔

ایمان و یقین کے سائے میں یہ آیت کریمہ پڑھیے:

”قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ“ (1)

”اے محبوبِ مکرم! مژدۂ جاں فزا سناتے ہوئے کہہ دیجیے کہ اے میرے وہ بندو، جنھوں نے ارتکابِ گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر زیادتی کرلی ہے، اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ تمام خطائیں درگزر فرمادیتا ہے، بے شک وہ بہت بخشش و مغفرت کرنے والا بھی ہے اور رحم و کرم کی بارش کرنے والا بھی۔“ (فیضان القرآن)

بل کہ سچی بات یہ ہے کہ پشیمانی و ندامت کے چند قطرات نہ صرف دامن عصیاں دھل دیتے ہیں، بل کہ کیے ہوئے گناہوں کو اجر و ثواب سے بدل دیتے ہیں۔

”اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا“ (2)

”ہاں، جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے، نیز اعمالِ حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کرتا رہے، تو یہ ایسے لوگ ہیں، جن کی لغزشوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے

(1) قرآن کریم، سورت: ۳۹، آیت: ۵۳
(2) قرآن کریم، سورت: ۲۵، آیت: ۷۰، ۷۱

تبدیل فرمادے گا، اور اللہ تو بہت ہی درگزر کرنے والا بھی ہے اور رحم و کرم فرمانے والا بھی۔ جس نے توبہ کرلی اور نیک عمل کیے، تو بلاشبہ اس نے اللہ کی طرف لوٹنے کا حق ادا کردیا۔“ (فیضان القرآن)

ویسے تو عفو و درگزر کی اہمیت کے بارے میں سرکارِ دوعالم ﷺ سے منسوب بہتیری روایتیں کتب احادیث میں موجود ہیں، تاہم زیر بحث موضوع کی مزید وضاحت کے لیے دو احادیث پیش کی جارہی ہیں:

آپ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے:

”یا ابن آدم لو بلغت ذنوبك عنان السماء، ثم استغفرتنی غفرت لك و لا ابالی“ (1)

”اے ابن آدم! اگر تمھارے گناہ بڑھتے بڑھتے آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں، پھر تم مجھ سے مغفرت طلب کرو، تو میں تمھیں معاف کردوں گا اور مجھے اس بات کی کوئی پروا بھی نہیں کہ گناہ بہت زیادہ ہیں۔“

ایک اور ایمان افروز حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں:

”اذا تاب العبد انسی اللّٰہ الحفظة ذنوبه، و انسی ذلك جوارحه، و معالمه من الارض، حتی یلقی اللّٰہ و لیس علیه شاهد من الذنب“ (2)

”جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے، تو اللہ رب العزت اس کے گناہوں کی تفصیلات کو نامہ اعمال سے مٹادیتا ہے، نیز اس کے نشانات کو اعضا و جوارح اور زمین سے بھی محو کردیتا ہے، یہاں تک کہ جب بندہ اللہ رب العزت سے ملاقات کرے گا، تو اس کے خلاف گناہوں کی شہادت دینے والا کوئی نہ ہوگا۔“

خیال رہے کہ عفو و درگزر کی اہمیت صرف حقوق اللہ کی عدم ادائیگی کے حوالے سے ہی قیمتی نہیں ہے، بل کہ بندوں کے حقوق کے ساتھ زیادتی ہوجانے پر بھی درگزر کرنا نہایت ہی

(1) ترمذی، ج:۹، آیت: ۴۱۷
(2) کنز العمال، ج:۴، ص: ۶۹۸

لائق ستائش اور محمود ہے۔

اللہ رب العزت نے درگزر کرنے والے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

”وَ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ“ [1]

”جو بڑے گناہوں اور بے حیائی سے اِجتناب کرتے ہیں، نیز غضب ناک ہوتے ہوئے بھی درگزر کر دیتے ہیں۔“ (فیضان القرآن)

اور جو کسی کو درگزر کر دے، تو وہ ستائش کے ساتھ اجر وثواب کا بھی مستحق ہے:

”وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ“ [2]

”ویسے تو برائی کا بدلہ بھی برائی کے مطابق ہی ہوتا ہے، تاہم جو معاف کر دے اور معاملہ درست کر لے، تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔“ (فیضان القرآن)

منطقی پیرایۂ بیان:

منطقی طور پر تین طرح کے لوگ معاف کیے جاسکتے ہیں؛ اپنے سے بڑے، اپنے برابر والے اور اپنے سے چھوٹے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ اپنے سے بڑے اور اپنے برابر والوں کو معاف کرنا قابل تحسین و پذیرائی نہیں ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ اپنے سے چھوٹے کو معاف کرنے کے مقابلے میں کئی درجات پیچھے ہے۔

اسے یوں سمجھیے کہ کسی بڑے سے کوئی خطا ہو جائے، تو بہت ممکن ہے کہ وہ آپ کی دست رس سے باہر ہو، اس لیے آپ اسے درگزر کر دیں، اسی طرح آپ کے برابر والے سے غلطی ہو جائے، تو بھی اسے مد مقابل سمجھ کر معاف کر دیں، تاہم جب کسی چھوٹے کو معاف کریں گے، تو یہ دونوں خیالات پیش نگاہ نہیں رہیں گے، یعنی نہ اسے مرتبے میں بڑا

[1] قرآن کریم، سورت:۴۲، آیت:۳۷

[2] قرآن کریم، سورت:۴۲، آیت:۴۰

سمجھ کر معاف کریں گے اور نہ ہی مد مقابل سمجھ کر، بل کہ اسے معافی دینے پر جو چیز برانگیختہ کرے گی، وہ سرتاسر حسن اخلاق، جذبہ خیر سگالی اور اظہارِ شفقت و مرحمت ہی سے تعبیر کی جائے گی۔

اِس بنیاد پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ کسی چھوٹے کو معاف کرنے کے دوران صحیح معنوں میں اخلاق و کردار کی بلندی پوری طرح بے نقاب ہوتی ہے۔ اور یہیں سے یہ اِشارہ بھی ہو گیا کہ جو مذہب کسی ادنیٰ کو درگزر کرنے کی تعلیم دے، اس کے نزدیک اپنے سے بڑے اور مد مقابل کو درگزر کرنے کی فضیلت خود بہ خود آشکار ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے بہ طور مثال صرف تین بیانات سماعت کر لیجیے!

پہلی حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ کے ساتھ کوئی ایسا دن بھی گزرا ہے، جو یوم اُحد سے زیادہ شدید تر ہو؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تمھاری قوم سے اِنتہائی تکلیف پہنچی ہے، خاص کر جب کہ میں دعوت و تبلیغ کے لیے طائف گیا اور وہاں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو اِسلام کی دعوت دی۔ اُس نے میری بات قبول کرنے سے صاف اِنکار کر دیا۔ مَیں بوجھل قدموں کے ساتھ واپس آرہا تھا کہ راستے میں جب قرن ثعالب کے قریب پہنچا، تو سر اُٹھا کر دیکھا کہ ایک بادل میرے سر پر سایہ فگن ہے اور اس کی اوٹ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے مخاطب ہیں کہ آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا، وہ بھی اللہ نے اچھی طرح سن لیا ہے اور انھوں نے جو جواب آپ کو دیا ہے، وہ بھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کی خدمت میں پہاڑوں کے نظم وضبط کی ذمہ داری سنبھالنے والے فرشتہ کو میرے ہم راہ بھیجا ہے، تا کہ ان لوگوں کے بارے میں آپ کے احکامات پر عمل کرے۔ اس کے بعد فرشتہ نے سلام پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ)! اللہ رب العزت نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، تا کہ آپ کے احکامات بجالاؤں، آپ حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ان پر الٹ دوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"بل ارجو ان يخرج الله من اصلابهم من يعبد الله وحده و لا يشرك به شيئا" ①

"نہیں، بل کہ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا، جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔"

دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے کہ کیا یہ اپنے سے چھوٹے پر اظہارِ شفقت ومرحمت کی بے مثال کہانی نہیں ہے؟ اچھا پھر یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ ظلم وزیادتی کا بدلہ کوئی انسان لے، تو ممکن ہے کہ وہ خطرات سے اُلجھ جائے اور اپنے لیے نئی مصیبت کھڑی کردے، تاہم یہاں تو بدلہ لینے کے لیے فرشتہ حاضر ہے، جو پوری بستی کو نیست ونابود کرنے کے لیے تیار ہے۔ یعنی بدلہ لینے میں کہیں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، اس کے باوجود سرکار دوعالم ﷺ بدلہ لینے کی اجازت دینے کے بہ جائے اظہارِ شفقت فرمارہے ہیں۔

دوسری حدیث:

اِعلانِ نبوت کے بعد مکہ کے مشرکین نے حلقہ اِسلام میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جو ظلم وزیادتی کی ہے، وہ تاریخ اِنسانی میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے، تاہم جب مکہ فتح ہوجاتا ہے اور پورا علاقہ سرکار دوعالم ﷺ کی گرفت میں آجاتا ہے، تو اعدائے اِسلام خوف و دہشت کے مارے چھپنے لگتے ہیں کہ اتنے میں محسن کائنات کی مبارک آواز ان کے پردۂ سماعت سے ٹکراتی ہے کہ اے اہل قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ آپ سے تو ہمیں بھلائی کی توقع ہے کہ آپ مشفق بھائی ہیں اور مشفق بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ ﷺ نے معاف کرتے ہوئے اِعلان فرمایا کہ

"اذهبوا فانتم الطلقاء" ②

"جاؤ، تم سب آزاد ہو!"

① مسلم، ج:۱۲، ص:۱۲۲

② سیرت ابن ہشام، ج:۴، ص:۱۷۰

تیسری حدیث:

کوئی شک نہیں کہ اپنے خادم کو معاف کردینا نہایت ہی مشکل کام ہے کہ وہ پورے طور پر اپنے قبضے میں ہوتا ہے۔ ذرا دیکھیے تو سہی کہ اس مشکل ترین مرحلے سے گزرنے کے لیے اِسلام نے کیا ہدایت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ محسن اِنسانیت ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"كم نعفو عن الخادم؟ فصمت، ثم اعاد عليه الكلام، فصمت، فلما كان فى الثالثة، قال: اعفو عنه فى كل يوم سبعين مرة" ①

"ہم کتنی بار خادم کو معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، اس نے دوبارہ یہی سوال دہرایا، پھر بھی آپ ﷺ خاموش رہے، جب اس نے تیسری بار عرض کیا، تو رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دن اسے ستر بار معاف کرو!"

متذکرہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے علمائے کرام کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کا خاموش رہنا، اس وجہ سے تھا کہ جب عفو ودرگزر ہمیشہ محمود ہے، تو اسے کسی بھی تعداد سے مقید کرنا مناسب نہیں، تاہم جب وہ اپنے سوال پر اِصرار کرتے رہے، تو آپ نے جواب دیتے ہوئے لفظ "ستر" اِستعمال فرمایا، جس سے تحدید وتعیین عدد نہیں ہے، بل کہ کثرت و زیادت مراد ہے۔ ②

فلسفۂ عقاب وسزا

پالن ہارِ حقیقی اپنے بندوں پر اِنتہائی شفیق ومہربان ہے، اور یہ سلسلۂ مرحمت وشفقت اسی وقت سے شروع ہوجاتا ہے جب کہ بندہ ابھی شکمِ مادر میں ایک بے جان لوتھڑے کی

① ابوداود، ج:۴، ص:۷۲

② دیکھیے؛ عون المعبود شرح ابی داود، ج:۱۴، ص:۶۴

صورت میں ہوتا ہے۔ خالق کائنات اسے اپنی جوارِ رحمت میں لے کر پروان چڑھاتا ہے، وقت مقررہ پر اس میں روح پھونکتا ہے، مضبوطی قد وقامت کے لیے سخت ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے، اور پھر اسے گوشت و پوست کا لباسِ فاخرہ عطا کر کے ایک دن عالم فانی میں زندگی کی بہاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھیج دیتا ہے...... اور یہ حیرت انگیز حقیقت بھی پیش نگاہ رہے کہ اس کے جلوہاے شفقت ورحمت، فضل واحسان اور عنایات و نوازشات سے نہ صرف اس کے ماننے والے مومنین فیض یاب ہوتے ہیں، بل کہ وہ اپنے نہ ماننے والے کفار ومشرکین کو بھی اس دنیا کی بہاروں، رعنائیوں اور دل کشیوں سے متمتع ہونے کی اِجازت دیتا ہے۔

اِسی حقیقت واضحہ کو بے نقاب کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نہایت ہی خوب صورت لب ولہجہ میں اِرشادفرماتے ہیں:

”ما احد اصبر علی اذی یسمعه من الله، انهم یجعلون له ندا، و یجعلون له ولدا، و هو مع ذلك یرزقهم، و یعافیهم و یعطیهم“ (۱)

”کسی نے اللہ ربّ العزت سے زیادہ سختیوں پر صبر کرنے والا نہ سنا ہوگا، لوگ اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہیں اور اولاد مانتے ہیں، تاہم وہ اُنھیں رزق فراہم کرتا ہے، اُنھیں درگزر کرتا ہے اور نوازش وعطا سے متمتع فرماتا ہے۔“

اوراس وسیع وہمہ گیر رحمت وشفقت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں پر بہت زیادہ سختی نہ کی جائے، پھر اگر سزا وعقاب کسی طرح ناگزیر ہو ہی جائے، تو انتہائی کوشش یہ ہو کہ تعداد میں کم سے کم لوگ سزا وعقاب کے دور سے گزریں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نزدیک سزاؤں میں یہ حکمت پیش نگاہ ہے کہ سزا سخت ہو، عبرت ناک ہو اور مجمع عام میں ہو، تا کہ مجرم کے درد و الم، کرب و بے کلی اور شدتِ تکالیف کی دل دہلا دینے والی تصویر مشاہدہ کرنے والے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ساری عمر جھلکتی رہے، اور وہ سب کے سب گناہوں کے دلدل میں پھنسنے سے اِجتناب کریں۔

(۱) مسلم، ج:۱۷، ص:۱۲۲

اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ جرم کی سزا صرف ایک بندہ کو دی گئی ہے، تاہم لاکھوں اور کروڑوں افراد ہمیشہ کے لیے سزاؤں اور عقابوں سے بچ گئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک دل چسپ مکالمہ کی داستان سن ہی لیجیے۔ چند سال پیش تر بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے آٹھ مبینہ مجرموں کو سعودی عرب میں سر عام قتل کر دیا گیا، بتایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے چوری کی واردات کے دوران ایک مصری شخص کو قتل کر دیا تھا، جس کی پاداش میں انھیں سر قلم کرنے کی سزا دی گئی ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی مغربی میڈیا نے اسے اچھالنا شروع کر دیا کہ اس طرح کی سزا سر عام دینا قدامت پسندی اور بربریت کی علامت ہے۔ اسے کیا کہیے کہ مغربی افکار سے مرعوبیت کے نتیجے میں ہمارے کچھ بھولے بھالے مسلمان بھی اپنے جذبات کا اِظہار اسی قسم کے جملوں سے کرنے لگے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک صاحب نے جمعہ کی نماز کے بعد مجھ سے پوچھ لیا کہ ابھی سعودی عرب کی اِنتظامیہ نے آٹھ بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو سر عام قتل کر دیا ہے۔ کیا یہ اِقدام صحیح ہے؟ میں نے پوری سنجیدگی ومتانت کے ساتھ انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ آپ کے اس سوال کا تعلق تین جہتوں سے ہے۔ پہلی جہت تو یہ ہے کہ آیا سعودی عرب نے جو کچھ کیا وہ صحیح ہے یا غلط؟ دوسری جہت یہ ہے کہ سر عام قتل کرنے کا طریقہ فی نفسہٖ کیسا ہے؟ اور تیسری جہت یہ کہ اس طرح کے اقدام کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟ میں نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب نے جو اقدام کیا ہے، اس حوالے سے میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ اُنھوں نے حق و اِنصاف کے سارے ضروری تقاضے پورے کر بھی لیے تھے یا نہیں؟

سوال کی دوسری جہت کے حوالے سے میں نے کہا کہ وہ لوگ جو سر عام قتل کو بربریت قرار دیتے ہیں، وہ بھی تو سر عام ہی کارروائیاں کرتے ہیں۔ لڑاکا جہاز جب فضا کو چیرتے ہوئے کسی علاقے میں داخل ہوتا ہے تو کیا لوگ اسے نہیں دیکھتے؟ اور پھر جب وہ بم برسا کر واپس لوٹتا ہے تو کیا لوگ تباہ بربادی کی الم ناک تصویریں نہیں دیکھتے؟ اسی طرح بندوق کی گولی کے ذریعہ جب کسی کو نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو کیا اسے برسر عام سزا

دینا نہیں کہیں گے؟ اور یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ اس طرح کے فضائی حملہ سے نہ صرف ممکنہ مجرم ہی کی جان لی جاتی ہے، بل کہ مکان میں رہنے والے ننھے ننھے شیر خوار بچے بھی سسک سسک کر دم توڑتے ہیں، گھر میں چین کی نیند سونے والے بچے بھی ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر دیتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ بے گناہ عورتیں بھی لقمہ اجل بن جاتی ہیں......اور اگر اہل خانہ میں سے کوئی بے گناہ زندہ بچ بھی جاتا ہے تو وہ مکان واثاثہ کی تباہ و بربادی کے بعد در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ کہنا بجا ہوگا کہ مغربی طریقۂ سزا میں بسا اوقات صرف مجرم ہی کو سزا نہیں ملتی، بل کہ اس کے ساتھ ساتھ پورے خاندان پر مصائب وآلام کے بادل ٹوٹ پڑتے ہیں۔

پھر مَیں نے اِسلامی سزا کے پس پردہ مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ برسرِعام سزا دینے کی ہدایات اِسلامی شریعت میں نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں، لہٰذا ہمیں بہ ہر حال اس کی پابندی کرنی ہے۔ اب اگر اس طرح کے اقدام کے پیچھے حکمت جاننے کا شوق ہو تو عرض کروں کہ اسلام کو اس بات سے دل چسپی نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سزا دی جائے، بل کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کم سے کم لوگ سزا پائیں۔ دوسرے لفظوں میں اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ممکنہ جرائم کے حوالے سے خوف و دہشت بٹھا دی جائے تا کہ اگر وہ کبھی بھولے سے بھی جرائم کا خیال حاشیۂ ذہن میں لائیں تو اِقدام سے قبل ہی رونگٹے کھڑے کر دینے والی سزا کے خوف سے کانپ جائیں اور جرم سے باز رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قصاصِ قتل کی حکمت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

”وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ [1]

”اے فہم وفراست رکھنے والو! قتل کے بدلے میں قتل کر دیے جانے کی سزا میں تمھارے لیے زندگی ہے، تا کہ تم باز رہو۔“ (فیضان القرآن)

بہ ظاہر قتل کرنے والے کو بھی بہ طور سزا قتل کر دیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں تو ایک اور زندگی کا چراغ بھی گل ہوتا ہوا نظر آتا ہے، پھر اسے ”زندگی“ کیوں قرار دیا جارہا ہے؟ مفسرین کہتے

[1] قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۷۹

ہیں کہ جب ایک مجرم کو قتل کے بدلے قتل کر دیا جائے، تو دوسرے ممکنہ مجرمین انجام دیکھ کر خود اس طرح کے اِقدام سے باز رہنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی قصاص کی صورت میں ایک مجرم قتل کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ کئی دوسرے ممکنہ مقتولوں کی زندگی بچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اِسی لیے کہا گیا کہ قصاصِ قتل میں زندگی ہے۔ اب اگر کسی مجرم کو علیٰ رءوس الاشہاد قتل نہ کیا جائے تو دوسروں کو عبرت کیوں کر حاصل ہوگی؟ اسی لیے جو لوگ بند کمرے میں کسی مجرم کو بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، وہ دوسرے مجرمین کو درسِ عبرت دینے میں سرے سے ناکام رہتے ہیں۔ ایسے تمام ممالک میں جرائم کی واردات پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ سال میں کئی ایک مجرمین کو موت کی سزا دینے کے باوجود جرائم کی تعداد میں کوئی خاطر خواہ کمی واقع نہیں ہو رہی ہے۔ دوسری طرف جن ممالک میں برسرِعام سزا دی جاتی ہے، وہاں جرائم کی تعداد میں حیرت انگیز طور پر کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق برسرِعام سزا دے کر پورے معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے میں جو مدد حاصل ہوتی ہے، وہ پوشیدگی کے ساتھ سزا دینے والے ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر سعودی عرب میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ ہے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پوری دنیا کے مقابلے میں سعودی عرب میں چوری کی واردات نہ ہونے کے برابر ہے، جب کہ وہ ممالک جہاں نام نہاد اِنسانیت کی بنیاد پر چوری پر معمولی قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں، وہاں چوری کی وارداتیں زندگی کی معمولات کا حصہ ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ ۱۹۹۳ء میں پہلی بار عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حرمین حاضر ہوا۔ میں نے بازار سے گزرتے ہوئے اہل خانہ کے لیے ایک تحفہ خریدا۔ جب مسجد نبوی کے دروازے سے گزرنے لگا تو ذمہ داروں نے مجھے روک لیا اور کہا کہ آپ اس پیکٹ کو اندر نہیں لے جا سکتے۔ میں نے عرض کیا کہ میری رہائش گاہ بہت دور ہے، اس لیے مجھے وہاں جانے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ آپ اسے باہر کی ریلنگ میں رکھ دیں اور اِطمینان رکھیں کوئی لے کر نہیں جائے گا۔ میں نے اسے باہر رکھ دیا۔ جب مسجد نبوی سے باہر نکلا تو

اسے لینا بھول گیا۔ رہائش گاہ پہنچ کر یاد آیا کہ میں تو پیکٹ بھول آیا ہوں۔ قصہ مختصر یہ کہ جب میں دوسرے دن مسجد نبوی پہنچا تو میری حیرت دوچند ہوگئی کہ وہ پیکٹ اب تک یوں ہی پڑا تھا۔ بلاشبہ یہ اِسلامی طرز سزا ہی کا فیضان تھا، ورنہ تو شاید ہی دنیا کے کسی علاقے میں چوری سے اس قدر لوگ خوف زدہ رہتے ہوں گے۔

اور پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ سزا کے طور پر قتل ہونے والا تو بہ ہر حال اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسے اس سے کیا غرض کہ اسے سب کے سامنے قتل کیا جارہا ہے یا اندھیرے کمرے میں، لیکن کیا یہ بہتر نہیں کہ جب وہ جان دے ہی رہا ہے تو اس طرح دے کہ دوسروں کا بھی کچھ بھلا ہو جائے۔ جرائم کی دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ بند کمرے میں دی گئی سزا سے مرنے والا مر تو جاتا ہے، لیکن اس کی موت سے دوسروں کا شاید ہی بھلا ہوتا ہو، جب کہ سرِ عام سزا دینے کی وجہ سے بہت سارے جرائم پیشہ افراد اس درجہ خائف ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی راہ ہی تبدیل کر لیتے ہیں۔

میری گفت گو جوں ہی مکمل ہوئی اور دم رخصت میں نے انہیں مڑ کر دیکھا، تو چہرے پر بشاشت قلبی کے مرتسم گہرے اثرات سے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ موصوف میری باتوں سے صدفی صد مطمئن ہو گئے ہیں۔ [1]

دوسری جانب چوری کی سزا کے حوالے سے مغربی دنیا میں پیش آنے والی آپ بیتی کی ایک مضحکہ خیز جھلک دیکھتے چلیے۔

امریکہ میں میرے ایک قریبی اپنے اسٹور پر ہونے والی چوری کی روداد بتاتے ہوئے کہنے لگے کہ ایک شب پچھلے پہر میرے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون اٹھایا تو پولس آفیسر مجھ سے مخاطب تھا کہ آپ کتنے فاصلے پر ہیں، جلد از جلد اپنے اسٹور پہنچیں، ورنہ ہم اسٹور کا صدر دروازہ توڑنے پر مجبور ہوں گے۔ وہ بھاگتے ہوئے اسٹور پہنچے اور اِستفسار کیا تو معلوم ہوا کہ چوری کرنے والے ایک گروہ نے ان کے اسٹور کی چھت پر موجود ایر کنڈیشن یونٹ توڑ کر اپنی ساتھی کو اندر اتارنے کی کوشش کی، تاہم لڑکی کا پیر پھسل گیا اور وہ گر پڑی کہ اتنے

[1] ’’فکر و نظر کے دریچے‘‘ سے ایک اِقتباس، ص: ۹۸

میں اسٹور کا حفاظتی آلارم بج گیا اور اس کے سارے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ لڑکی بہت خوف زدہ ہوگئی اور اس نے پولس سے مدد طلب کر لی۔ پولس جب جائے واردات پر پہنچی تو لڑکی نے روتے ہوئے اسٹور سے نکالنے کی درخواست کی۔ بہ ہر کیف، انھوں نے اسٹور کا تالہ کھولا اور اسے باہر نکالا۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے وہ کہنے لگے کہ جب وہ لڑکی باہر نکل گئی، تو پولس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اس کے خلاف کیس کرنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ کیا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ پولس نے سمجھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو لڑکی کی عمر سولہ سترہ سال ہے اور وہ قانونی اِعتبار سے ابھی بچوں کے زمرے میں ہے۔ گو کہ قانونی چارہ جوئی کرنا آپ کا حق ہے، تاہم مجھے معلوم ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے ہمیں ضروری قانونی تقاضے پورے کرنے ہوں گے، جس میں دو تین گھنٹے آپ کے بھی برباد ہوں اور ہمارے بھی، جب کہ تمام تر تگ و دو کا حاصل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم اسے اپنے ساتھ تھانے لے جائیں گے اور صبح کے وقت اس کے والدین آئیں گے، پھر وہ ضروری عہد نامہ بھریں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں، تا کہ ہم اسے اس کے گھر چھوڑ آئیں۔ اور اگر اب بھی آپ بہ ضد ہیں، تو ہم ضروری کاغذی کارروائی کر دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہزار غم و غصہ کے میرے ہونٹوں پر مضحکہ خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور میں اسٹور بند کر کے اپنے گھر واپس آ گیا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ چوروں کے ساتھ متذکرہ عنایاتِ خسروانہ سے چوری کی وارداتیں کبھی بھی ختم یا کسی حد تک کم نہیں ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرہ میں چوری دھیرے دھیرے شب و روز کا حصہ بن گیا ہے۔

فرصت کے لمحات میسر آئیں تو تنہائی میں بیٹھ کر غور کیجیے گا کہ سخت سزاؤں کے ذریعہ جرائم ختم کرنا زیادہ بہتر ہے یا معمولی تنبیہات کے ذریعہ مجرمین کی حوصلہ افزائی؟

کوئی بات بغیر دلائل و براہین کے نہ رہ جائے، اس لیے قلت صفحات کے ہزار شکووں کے باوجود، دنیا میں سب سے زیادہ قوانین وضوابط کی پابندی کرنے والے امریکی معاشرہ میں جرائم کی تعداد پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال لیجیے!

ایف بی آئی نے ۲۰۱۲ء میں ۱۸۰۰۰ رشہروں، نیز پورے ملک کی یونی ورسٹیز، کالجوں، ضلعوں، صوبوں اور محکمۂ پولس سے حاصل شدہ فہرستوں کی بنیاد پر جو رپورٹ شائع کی ہے، وہ اِجمالی طور پر کچھ اس طرح ہے: ❶

پُرتشدد جرائم	۲۶ سیکنڈ میں ایک	
قتل	فی ۳۵.۴ سیکنڈ	ایک
زنا بالجبر	فی ۶.۲ سیکنڈ	ایک
چوری	فی ۱.۵ سیکنڈ	ایک
نازیبا حرکت	فی ۴.۵ سیکنڈ	ایک

مالی جرائم	۳.۵ سیکنڈ میں ایک	
لوٹ	فی ۱۵ سیکنڈ	ایک
معمولی چوری	فی ۵.۱ سیکنڈ	ایک
گاڑی چوری	فی ۴۳.۷ سیکنڈ	ایک

اسی طرح پورے امریکہ کے حوالے سے ۱۹ر اکتوبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہونے والے گھریلو جرائم کی رپورٹ پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالیے۔ ❷

- ۳۵٪ عورتیں گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔
- ۷۰٪ مقتولہ عورتیں اپنے شناساؤں کے ذریعہ ماری جاتی ہیں۔
- ۸۲٪ جیل کی ہوا کھانے والی عورتیں وہ ہوتی ہیں، جو صغر سنی ہی میں جنسی دست درازی کا شکار ہو جاتی ہیں۔
- دس میں سے تین عورتیں اور ایک مرد جنسی دست درازی کا شکار ہوتے ہیں۔
- ۶۰٪ بچے تشدد، جرائم اور دست درازی میں ملوث ہوتے ہیں۔
- ۱۹.۳٪ رعورتیں اور ۱.۷٪ رمرد اپنی زندگی میں زنا کا شکار ہوتے ہیں۔

❶ دیکھیے: ایف، بی، آئی رپورٹ برائے ۲۰۱۲ء، ویب سائٹ

❷ دیکھیے: **Crimeinamerica.net**

ویسے تو جرائم کی وجوہات کئی ایک ہو سکتی ہیں، تاہم مجرموں کو دی جانے والی معمولی سزائیں بھی بہت حد تک بڑھتے ہوئے جرائم کے لیے ذمہ دار ہیں۔ یقین نہیں آتا تو سنیے کہ ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۰ء کے درمیان پانچ سالوں میں امریکہ کے تیس صوبوں سے رہائی پانے والے ۴۰۵۰۰۰ قیدیوں میں سے تقریباً ۶۷.۸٪ صرف تین سالوں کے اندر، جب کہ ۷۶.۶٪ پانچ سالوں کے درمیان دوبارہ جرائم کی پاداش میں گرفتار کیے گئے۔ اسی طرح رہائی پانے والے ۲۴ سال یا اس سے کم عمر کے ۸۴.۱٪، ۲۵ تا ۳۹ سال عمر کے ۷۸.۶٪ ر اور ۴۰ سالوں سے زیادہ عمر کے ۶۹.۲٪ قیدی صرف پانچ سالوں کے اندر دوبارہ جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے گرفتار کیے گئے۔ ❶

جنگ وجدال

کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ کو بار بار دہراتے رہیں، تا کہ سننے والا ایک نہ ایک دن حق و صداقت سمجھ کر اسے تسلیم کر لے۔ یہی کچھ معاملہ جنگ وجدال اور اِسلام کے مابین رشتہ و تعلق کے حوالے سے ہے۔ اعدائے اِسلام، ذرائع اِبلاغ اور برقی معلومات، بہ استثنائے چند، سب کے سب اس کثرت کے ساتھ اسلامی شریعت کو خوں خوار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ اب غیر تو غیر ہیں، بعض نام نہاد ترقی یافتہ اپنے بھی، دامِ فریب میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اور بات کہ غیر جانب دارانہ تحقیق و تفتیش اسے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیتی ہے اور جھوٹ بولنے والا ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات واضح رہے کہ جنگ وجدال کے حوالے سے اسلامی موقف پر بحث کرنے کے لیے دو طریقے ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ ہم سرکار دوعالم ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں لڑی جانے والی ساری جنگوں کی تفصیلات پڑھیں اور ان کے پس پردہ ممکنہ وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کریں، تا کہ حقائق خوب اچھی طرح واضح ہو جائیں۔

❶ دیکھیے: **Bureau of Justice Statistics, April 22, 2014**
Alexia D. Cooper, Ph.D., Matthew R. Durose, Howard N. Snyder, Ph.D

دوسرا یہ کہ ہم جنگ کی شرعی حیثیت کے حوالے سے نظریاتی بحث کریں اور بغیر کسی مثال کے حقیقت تک پہنچنے کی اِستطاعت بھر کوشش کریں۔

مؤدّبانہ عرض یہ ہے کہ پہلے طریقہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے لیے چند صفحات نہیں، بل کہ زیرِ نظر کتاب کی طرح کئی جلدوں کی ضرورت پڑے گی، پھر بھی بہت ممکن ہے کہ ساری جنگوں اور سرایا پر تمام تر پہلوؤں سے روشنی نہ پڑ سکے۔ اس طرح بلاشبہہ مقصد کتاب نظروں سے بہت حد تک اوجھل ہو جائے گا، جو کسی قیمت پر مجھے گوارا نہیں ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم دوسرے طریقہ پر قناعت کرلیں۔

جنگ وجدال کے حوالے سے اِسلامی موقف جاننے کے لیے جب ایک عام قاری اُمہات کتب کی ورق گردانی کرے، تو اسے کثرت سے ہدایات ملتی ہیں، تاہم انھیں تقریب فہم کے لیے کسی حد تک مندرجہ ذیل عناوین کے تحت پیش کیا جاسکتا ہے۔

پہلی ہدایت:

جنگ کی آرزو نہ کرو، بل کہ امن کے خواہش مند رہو۔

رحمت دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''ایها الناس! لا تتمنوا لقاء العدو، و سلو الله العافية، فاذا لقيتموهم فاصبروا'' (1)

''اے لوگو! دشمنوں سے مقابلے کی تمنا نہ کرو، بل کہ اللہ ربّ العزت سے عافیت کے خواہش مند رہو، ہاں جب ان سے مقابلہ کرو، تو پھر صبر سے کام لو!''

دوسری ہدایت:

دُشمن مقابلہ کریں، تو بہادری کے ساتھ لڑو!

''وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' (2)

(1) بخاری، ج:۳، ص:۱۰۸۲

(2) قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۹۰

''اللہ رب العزت کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے محاذ آرائی کر رہے ہیں، البتہ کسی طرح کی زیادتی کا اِرتکاب نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ضابطہ شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (فیضان القرآن)

تیسری ہدایت:

جو تمھارے ساتھ زیادتی کرے، تو تم بھی ان سے بدلہ لو!

''اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ، فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ'' (1)

''عظمت و بزرگی والے مہینوں میں اگر وہ لڑائی میں پہل کردیں تو تم بھی اُنہیں دنوں میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اُٹھالو، اِس لیے کہ عظمت و بزرگی کو نشانہ بنایا جائے تو پھر اس کا بدلہ لیا جائے گا، پس جو بھی تمھارے ساتھ زیادتی کرے تو تم بھی اسی کے مقابل اس سے انتقام لو، اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، نیز یاد رکھو کہ بلاشبہہ اللہ کی حمایت و نصرت پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔'' (فیضان القرآن)

چوتھی ہدایت:

اللہ رب العزت تمھارے ہاتھوں سے دشمنوں کو ذلیل ورسوا فرمائے گا۔

''قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ وَ یُخْزِھِمْ وَ یَنْصُرْکُمْ عَلَیْھِمْ وَ یَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ'' (2)

''تم ان سے بے خوف وخطر لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں انھیں تباہ و برباد کرے گا، انھیں ذلت ورسوائی سے دوچار فرمائے گا، ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا فرمائے گا۔'' (فیضان القرآن)

(1) قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۹۴

(2) قرآن کریم، سورت:۹، آیت:۱۴

پانچویں ہدایت:

شرکت قتال پر اجر وثواب کی بشارت

''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' ❶

''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے، نیز وہ جنھوں نے رضائے اِلٰہی کی خاطر اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا اور راہِ خدا میں لڑائی بھی کی، یہ سب رحمت اِلٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ بڑا درگزر کرنے والا بھی ہے اور رحمتوں کی بارش کرنے والا بھی۔''

(فیضان القرآن)

چھٹی ہدایت:

میدانِ جنگ سے بھاگنے پر عقاب وسزا

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ، وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ'' ❷

''اے اِیمان کی دولت سے نوازے جانے والو! جب تم کافروں سے مقابلے کے لیے اُترو، تو خواہ وہ بڑے لشکر ہی میں کیوں نہ ہوں، جب بھی اُنھیں پیٹھ نہ دکھاؤ، اور جس نے بھی جنگی حکمت عملی کے پیش نظر یا اپنی جماعت میں شمولیت کے مقصد کے علاوہ میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ دکھائی، تو وہ سمجھ لے کہ اس نے اللہ کے غیظ وغضب کو دعوت دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگیا، اور یہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔'' (فیضان القرآن)

کوئی شک نہیں کہ زیر بحث موضوع کے حوالے سے قرآنِ مقدس، احادیث مبارکہ، بیاناتِ صحابہ اور علمائے کرام کی بہت ساری تشریحات لکھی جاسکتی تھیں، تاہم اِختصار کے

❶ قرآن کریم، سورت:۲، آیات:۲۱۸

❷ قرآن کریم، سورت:۸، آیات:۱۵،۱۶

پیش نظر ہر پہلوے ہدایت کی وضاحت کے لیے صرف ایک دلیل پر اِکتفا کرنا پڑا ہے۔ بہ ہر کیف، مدعائے سخن کی تشریح مقصود تھی، اور وہ کماحقہ حاصل ہوگئی ہے۔

بار خاطر نہ ہو تو ساری متذکرہ ہدایات پر ایک بار پھر سرسری نگاہ ڈال لیجیے اور غیر جانب داری کے ساتھ ڈھونڈنے کی کوشش کیجیے کہ آخر کون سی بات اِسلامی فلسفۂ جنگ کو خوں ریز بنادیتی ہے؟ ظاہر ہے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جارحانہ اِقدامات کرے، تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کوئی دانش مندی نہیں ہے، بل کہ ایسے حالات میں ساری دنیا کے اصحاب رائے، اربابِ علم وآگہی اور اِنصاف پسند افراد بہ یک زبان پکار اُٹھیں گے کہ مظلوم کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے، ....اور یہی حق اِسلام نے بھی دیا ہے، تو غلط کیا ہے؟

ایک اِیمان افروز نکتہ:

علمائے اُصولِ فقہ کے درمیان شیخ احمد ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ ایک معتبر اور نادرِ روزگار شخصیت ہیں۔ ان کی تشریحات کے مطابق ادائے اعمال کی دو قسمیں ہیں:

ادائے کامل اور ادائے ناقص

اس کے بعد ادائے کامل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وقت مقررہ پر جماعت سے نماز ادا کرنا، ادائے کامل کی بہترین مثال ہے۔ اس کے پیچھے دلیل بھی بڑی پیاری دیتے ہیں ہے، اور وہ یہ کہ مشروعیت نماز کی اِبتدا ہی جماعت سے ہوئی ہے، لہٰذا جماعت سے ادائیگی نماز ادائے کامل کے درجہ میں ہے۔ ❶

تاریخی اِعتبار سے یہ ثابت ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور ہر نماز کے اول وقت میں جماعت سے نماز پڑھائی، پھر دوسرے دن حاضر بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور ہر نماز کے اخیر وقت میں نماز پڑھائی اور عرض کیا کہ یہی نماز پنج گانہ کے مقررہ اوقات ہیں۔ ❷

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ مشروعیت نماز کی اِبتدا ہی جماعت سے ہوئی ہے، لہٰذا

❶ نورالانوار، ج:۱،ص:۱۰۰

❷ دیکھیے: ترمذی، ج:۱،ص:۴۱۰

جماعت سے ادائیگی نماز ادا ے کامل کہلاتی ہے۔ٹھیک اسی فکر کی رفاقت میں آگے بڑھیے اور تاریخ کے آئینے میں زیر بحث موضوع کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔کیا یہ بات ڈھکی چھپی ہے کہ اِعلانِ نبوت کے ساتھ ہی سرکار دوعالم ﷺ نے تلوار نہیں سونت لی تھی اور نہ ہی اپنے اِطاعت گزار صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہتھیار سے لیس ہوکر میدانِ عمل میں کود پڑیں، بل کہ وہ خاموشی کے ساتھ لوگوں تک پیغامِ اِسلام پہنچاتے ہیں، تاہم جو خوش نصیب نورِ اِلٰہی سے اپنے قلوب واذہان کو منور کرنے کی سعادتیں حاصل کرتے ہیں، اہل مکہ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، انھیں قید وبند کی صعوبتوں سے گزارا جارہا ہے، انھیں آزادنہ پالن ہارِ حقیقی کی بارگاہ میں سجودِ نیاز لٹانے سے روکنے کی جابرانہ پیہم کوششیں کی جارہی ہیں اور......ان سب کے باوجود مسلمانوں کو مقابلہ آرائی کی اِجازت نہیں دی جارہی ہے۔

کیا ان متذکرہ تاریخی شواہد، ناقابل تردید حقائق اور مستحکم براہین سے یہ حقیقت ، دوپہر کی دھوپ کی طرح اجالے میں نہیں آجاتی کہ امن وسلامتی ہی اِسلام کی اصل ہے، جب کہ جنگ وجدال وقتی وعارضی ہے......اگر یہ بات نہ ہوتی تو پیغامِ اِسلام کی نشر و اِشاعت کے برسوں بعد نہیں، بل کہ اِعلانِ نبوت کے ساتھ ہی ساتھ مقابلہ آرائی کی بھی اِجازت دی گئی ہوتی؟

اِجازتِ جنگ:

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اور یہ ایسی صداقت وحقانیت ہے کہ آپ ﷺ کی کتابِ حیات کا ایک ایک ورق نہیں، بل کہ ایک ایک حرف بھی شہادت دینے کے لیے حاضر ہے۔

پالن ہارِ حقیقی اِرشاد فرماتا ہے:

”وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ“ [1]

”اے محبوب! ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے سرچشمۂ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“(فیضان القرآن)

[1] قرآن کریم، سورت:٢١، آیت:١٠٧

اور کوئی شک نہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ سب سے بڑھ کر رحم وکرم، شفقت وعنایت اور نوازشات واِحسانات کی بارش کرتے رہے، تاہم جب اہل مکہ کی ظلم وزیادتی حد سے تجاوز کرگئی، تو آپ نے اپنے جاں نثاروں کو دوسرے ممالک میں ہجرت کرنے کی اِجازت دے دی۔پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ جب قبائل مکہ کے سرداروں نے متحد ہوکر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے اِرادے سے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرلیا۔ایسے میں اللہ ربّ العزت نے انھیں حکم دیا کہ وہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ چلے جائیں، لہٰذا آپ اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں میں گھر سے نکل جاتے ہیں۔ ظالموں کو جب یہ خبر ہوتی ہے کہ آپ یہاں سے کوچ کرگئے ہیں تو وہ آپ کے تعاقب میں گھوڑسوار بھیجتے ہیں تاکہ آپ کو گرفتار کیا جاسکے۔بہ ہرکیف مدینہ طیبہ پہنچ کر سرکار دوعالم ﷺ پیغامِ اِسلام کی نشر واِشاعت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، اس طرح دھیرے دھیرے پاک بازوں کی ایک جماعت تیار ہوجاتی ہے۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ ہجرت کرجانے کے باوجود اہل مکہ خاموش نہیں بیٹھتے، بل کہ کبھی دھمکی آمیز خطوط لکھتے ہیں، کبھی اطرافِ مدینہ کے یہودیوں کو ورغلاتے ہیں اور کبھی منافقین سے ساز باز کرکے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی درپردہ کوششیں کرتے ہیں۔

اِن حالات میں اللہ رب العزت مسلمانوں کو مقابلہ کرنے کی اِجازت دیتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے:

”اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ، الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ“ [1]

[1] قرآن کریم، سورت:٢٢، آیت:٣٩، ٤٠

”جن کے خلاف کافروں نے ناحق جنگ چھیڑ رکھی ہے، انھیں اب جواب دینے کی اِجازت دی جارہی ہے، بلاشبہ اللہ ان کی حمایت ونصرت پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے ہی گھروں سے ناحق صرف اس لیے نکال دیے گئے کہ وہ بہ بانگ دہل کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اگر اللہ کچھ لوگوں کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو راستے سے نہ ہٹاتا رہتا، تو پھر نہ خانقاہیں سلامت رہتیں، نہ گرجے، نہ کلیسے، نہ وہ مساجد جہاں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکرِ جمیل کیا جاتا ہے، جو اللہ کے دین کی حمایت کرتا ہے، اللہ اس کی مدد ونصرت ضرور فرماتا ہے، بلاشبہ اللہ سب کچھ کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہے اور سب پر پوری طرح غالب بھی ہے۔“ (فیضان القرآن)

حیثیتِ جنگ:

اللہ ربّ العزت کی جانب سے مقابلہ کرنے کی اِجازت دیے جانے کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ ٹھیک ہے، مسلمانوں کو اپنے اعدا، مخالفین اور دشمنوں سے مقابلے کی اِجازت مل گئی ہے، تاہم ایک سوال اب بھی تشنۂ جواب ہے، اور وہ یہ کہ مقابلے کی اِجازت مل جانے کے بعد جنگ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

نہایت ہی اِختصار کے ساتھ جواب یہ ہے کہ اِسلامی شریعت میں جنگ صرف دفاعی **(Defensive)** ہے، ہجومی **(Offensive)** نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اِسلامی شریعت صرف اپنے دفاع میں ہی ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دیتی ہے اور یوں ہی کسی پر حملہ کرنے کی نہیں، کہ یہ صریح ظلم وزیادتی ہے اور عدل و انصاف کے خلاف ہے، جس کی اسلام پوری قوت کے ساتھ مذمت کرتا ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ دفاعی جنگ بھی دوطرح سے لڑی جاتی ہے:

ایک: دشمن جب حملہ کردے، تو مقابلہ کیا جائے۔

دوسرا: دشمن کی جانب سے حتمی خطرہ محسوس ہو، تو اس کے حملہ کرنے سے پہلے ہی اس کی کمر توڑ دی جائے۔

بہت ممکن ہے کہ دوسرے طریقۂ جنگ کے دفاعی ہونے کے حوالے سے آپ قدرے اِختلاف کریں، تاہم یہ بات اربابِ علم وآگہی پر مخفی نہیں کہ دشمن سے خطرے کا یقین ہوجانے کے باوجود، ان کی جانب سے حملہ کے اِنتظار میں ”پلکیں“ بچھائے رکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے، بل کہ سچی بات یہ ہے کہ اسے، بہت حدتک ”خودکشی“ کے زمرے میں شامل کرنا چاہیے۔ اور اس حقیقت سے کسے اِنکار ہے کہ خودکشی قابل مذمت بھی ہے، لائق گرفت بھی اور وجہ تعزیر وسزا بھی۔

میری رائے سے اِتفاق نہ ہو، تو تاریخ اِسلامی کے بوسیدہ صفحات اُلٹیے اور ایسی تمام جنگوں کی تفصیلات پڑھیے، جنھیں بہ طور سند، جنگ کے حوالے سے اِسلامی موقف کی وضاحت کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے۔ مجھے اُمید ہی نہیں، یقین کامل ہے کہ آپ صدفی صد میرے خیالات کی تائید کرنے پر مجبور ہوں گے۔

خیال رہے کہ مَیں نے صرف ان مقابلہ آرائیوں کی بات کی ہے، جنھیں ہم واقعی ہر اِعتبار سے شرعی محاذ آرائی کے زمرے میں شامل کر کے جائز قرار دیتے ہیں، تاہم اگر بعض مسلمانوں کی جانب سے دنیاوی مقاصد کے لیے جنگ چھیڑی گئی ہو اور وہ دفاعی نوعیت کے زمرے سے نکل کر بے وجہ قتل وخون، ظلم وزیادتی اور قہر وجبر کی حدود میں داخل ہوگئی ہو، تو وہ میرے موضوعِ بحث سے قطعی خارج ہے، بل کہ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ایسی جنگوں کے دفاع کرنے کی کوئی حاجت بھی نہیں ہے کہ ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اپنے مذہبی قوانین، اِسلامی تہذیب وتمدن اور مسموح اِقدامات کے دفاع کے لیے زبان کھولیں، نہ کہ دنیا کے ہر ایک مسلمان کے کیے ہوئے اِقدام کو درست ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بات کسی طرح بھی نہ ہمارے مفاد میں ہے اور نہ ہمارے مذہب کے مفاد میں۔ اس لیے بالفرض اگر ایک مسلمان، خواہ وہ کسی اِسلامی ملک کا سربراہ ہو، یا کسی اسلامی جماعت کا اہم عہدہ دار، نے کسی پر بھی صریح زیادتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملہ کردیا ہے، تو ایسے تمام اِقدامات کی صاف الفاظ میں مذمت کی جائے، تاکہ ان کی عاقبت نااندیش حرکتوں کی وجہ سے ہمارے مذہب کا پُرکشش، پاکیزہ اور روشن وتاب ناک چہرہ کسی بھی طرح پراگندہ نہ ہوسکے۔

اسی طرح غیروں کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ جانی چاہیے کہ وہ نام نہاد مسلمانوں کے ذریعہ چھیڑی گئی جنگوں کی مثالیں پیش کر کے اِسلامی چہرے کو داغ دار کرنے کی ناکام کوششیں نہ کریں، اور نہ ہی ان کی مناسب توجیہات کے لیے ہماری جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہیں۔

اِسلامی موقف

جنگ وجدال کے حوالے سے اِسلامی موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں جنگ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، تاہم اگر اسے مسلمانوں کے سر مسلط کر دیا جائے، تو پھر مقابلہ سے راہِ فرار اِختیار کرنا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ انھی دونوں کناروں کے درمیان فلسفۂ جنگ کے تانے بانے گردش کرتے رہتے ہیں۔

ٹھیک ہے، قرآن وحدیث میں ہمیں جنگ وقتال پر برانگیختہ کرنے والے بیانات ملتے ہیں، تاہم ان سے مقصود یہ ہے کہ جب جنگ شروع ہو جائے، نہ یہ کہ مسلمان بلاوجہ میں خود آغازِ جنگ کر دیں۔ اور یہ بات مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے اِرشادِ گرامی سے دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہے کہ تم جنگ کی تمنا نہ کرو، بل کہ اللہ رب العزت سے امن و سلامتی کے خواہش مند رہو۔ غیر جانب داری کے ساتھ غور کیجیے کہ اگر اِسلامی شریعت میں جنگ پسندیدہ اور اچھی چیز ہوتی، تو پھر اس کی خواہش سے قطعی منع نہیں کیا جاتا۔ ہاں یہ بات فہم وفراست کے نہایت ہی قریب ہے کہ جب دشمن نقصانات پہنچانے کے لیے حملہ کر دیں، یا کرنے والے ہوں، تو پھر مقابلے سے پہلوتہی کرنا اور میدان چھوڑ کر بھاگ جانا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

اِس پس منظر میں دنیا کے سارے ممالک کے دفاعی نظام پر سرسری نگاہ ڈالیں، تو جنگ کے حوالے سے اِسلامی موقف کی بہت حد تک تائید ہو جائے گی، کہ سارے ممالک ایک مضبوط فوج ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں اور انھیں نت نئے ہتھیاروں سے مسلح کرنے کی پُرعزم جد وجہد بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت اِس قدر عیاں ہے کہ مجھے اپنے موقف کے اِثبات کے لیے کوئی مثال پیش کرنے کی قطعی حاجت نہیں۔

کتابیات

تفاسیر

۱- تفسیر کبیر: امام محمد بن عمر بن الحسین رازی، دار الفکر المعاصر

۲- روح البیان: شیخ اسماعیل حقی، دار السلفیہ، ہندوستان

۳- خزائن العرفان: صدر الافاضل مرادآبادی، فرید بک ڈپو دہلی

۴- الجامع لاحکام القرآن: شیخ محمد بن احمد القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۵- معالم التنزیل: شیخ ابو الحسین البغوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶- روح المعانی: شیخ محمد آلوسی، دار احیاء التراث العربی

۷- تفسیر ابن کثیر: شیخ اسماعیل بن عمر بن کثیر، مکتبہ رضویہ، دہلی ۲۰۰۵ء

۸- فیضان القرآن (ترجمہ بیانیہ قرآن کریم): ڈاکٹر غلام زرقانی، قلمی نسخہ

احادیث

۹- بخاری: امام ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، دار احیاء التراث العربی

۱۰- مسلم: امام مسلم بن حجاج، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۲ء

۱۱- مجمع الزوائد: شیخ علی الہیثمی، دار الفکر، بیروت

۱۲- مسند احمد: امام احمد ابن حنبل، دار احیاء التراث العربی

۱۳- مستدرک: امام ابوعبد اللہ محمد بن حاکم، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۶ء

۱۴- جامع المسانید والمراجع: امام جلال الدین سیوطی، دار الفکر ۱۹۹۴ء

۱۵- ترمذی: امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۴ء

۱۶- کنز العمال: امام علی متقی بن حسام الدین، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت

۱۷- مصنف ابن ابی شیبہ: شیخ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، دار الفکر

۱۸- موطا: امام مالک بن انس اصحی، دار الکتب العربی، ۱۹۸۸ء

۱۹- مشکوٰۃ المصابیح: شیخ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، دار الفکر ۱۹۹۱ء

۲۰- ابوداود: امام سلیمان بن اشعث بجستانی، دار احیاء التراث العربی

۲۱- سنن کبریٰ: امام احمد بن الحسین البیہقی، دار الفکر

۲۲- شعب الایمان: امام احمد بن الحسین البیہقی، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۰ء

۲۳- سنن دارقطنی: شیخ علی بن عمر دارقطنی، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۹۸۴ء

۲۴- مسند ابویعلی: شیخ ابویعلی الموصلی، دارُالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء

۲۵- سنن ابن ماجہ: شیخ محمد بن یزید الربعی، داراحیاء التراث العربی

۲۶- نسائی: امام احمد بن علی النسائی، دارُالفکر، ۱۹۸۶ء

۲۷- معجم کبیر: شیخ سلیمان بن احمد الطبرانی، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت

۲۸- عون المعبود شرح ابی داؤد: شیخ شمس الدین عظیم آبادی، دارُالکتب العلمیہ

فضائل و سیرت

۲۹- سیرتِ ابن ہشام: شیخ عبدالملک بن ہشام، دارُالمعرفہ

۳۰- سبل الہدیٰ: شیخ محمد بن یوسف شامی، مجلس اعلیٰ، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ

۳۱- امام علی: شیخ رشید رضا، دارُالکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء

۳۲- عمر بن خطاب: شیخ رشید رضا، دارُالکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء

۳۳- اسد الغابہ: شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی، دارُالمعرفہ، ۱۹۹۷ء

۳۴- تاریخ الخلفا: اِمام جلال الدین سیوطی، اسلامک پبلشر، دہلی، ۲۰۰۳ء

۳۵- مغازی: شیخ محمد بن عمر الواقدی، دارُالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء

تاریخ

۳۶- تاریخ دمشق: امام ابن عساکر، دارُالکتب العلمیہ

۳۷- البدایۃ والنہایۃ: شیخ ابن کثیر، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۹۵ء

۳۸- فتوح البلدان: شیخ احمد بن یحییٰ البلاذری، دارُالکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء

۳۹- تاریخ اِسلام: اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی، کتب خانہ حمیدیہ، دہلی ۱۹۹۷ء

۴۰- السیر الکبیر: امام محمد بن حسن شیبانی، مطبع لجنۃ البیان العربی

۴۱- فتح العلام شرح بلوغ المرام: شیخ نورالحسن القنوجی، مؤسسۃ المعارف للطباعۃ والنشر

فقہ

۴۲- فتح القدیر: شیخ کمال الدین بن ہمام، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، پاکستان

۴۳- الفقہ الاسلامی وادلتہ: دکتور وہبہ زحیلی، دارُالفکر، بیروت

۴۴- قدوری: شیخ ابوالحسن احمد القدوری، مکتبہ البشریٰ، پاکستان، ۲۰۰۸ء

۴۵- نوُرالانوار: شیخ احمد ملاجیون، مکتبہ البشریٰ، پاکستان، ۲۰۱۱ء

۴۶- بہارِ شریعت: صدرالشریعہ شیخ امجد علی اعظمی، قادری کتاب گھر، بریلی

رسائل و جرائد

47. *The Huffington Post, June 13, 2008*

48. *Sarah Boseley, The Guardian, 3 Feb,2014*

49. *Medical News Today, 30, June 2011*

50. *The Telegraph, 15, March 2014*

51. *Voice Of America, 19 Feb, 2014*

52. *Mail online, 24 Dec, 2012*

53. *CNN, March 21, 2013*

54. *Spiegel Online International , May 09, 2007*

55. *Euronews, 8/10/13*

56. *NEW YORK TIMES : MAY 26, 2012*

57. *Clinton. Address to the nation, PBS.org, 17 August 1998*

58. *NBC News, July 29th 2013*

59. *Springfield News-Leader, Nov 24, 2012*

60. *The Guardian, New York, 22 Oct, 2013*

61. *The news, By Shoaib A Raja, June 4, 2014*

62. *The Newyork Times, 20 Dec 2008 by Schubert and Miller*

63. *Food imports hurt struggling Haitian farmers, NBC News, 2/26/2010, by Paisley dodds*

64. *Department of Justice, Justice News 11 Feb, 2009*

65. *Hindustan Times, Sep 7, 2012*

66. *Dawn News, June 1, 2012*

67. *Houston Chronicle, Jan 5, 2002*

متفرق مصادر

۶۸- انجیل یوحنا، ۲: ۱

۶۹- عہد نامہ جدید، رسالہ پولس، ۵: ۲۳

۷۰- عہد نامہ جدید، اعمال

۷۱- سنٹرل گورنمنٹ ایکٹ، ۱۹۴۹ء، ہندوستان

72. Proverbs, 31:6,
73. Introduction to the constitution of India: By Brij Kishore, Sharma,
74. Competition Act 1998, Section 73
75. OFT press release 88/06 of 19 May 2006
76. American Muslim: Dr Ahmed Yousef, Uasr Publishing Group, Virginia, USA, 2004
77. Barna Research Group, Ltd., Glendale, Calif., 1993
78. Marriage and Divorce Today, 1, 1988
79. Encyclopaedia Britannica, William Benton,Chicago,1984
80. Wine History: Peter Svans, E-book
81. 1919 Congressional Record, Vol. 65, P. 1944 (USA)
82. Office of the Justice Programs, US Department of Justice Statistical Briefing Book
83. The Real Root Causes of Violent Crime:The Breakdown of Marriage, Family, and Community, 17, March 1995
84. The Probable Influence of Islam on Western Public and International Law, Journal of Middle East Studies 11 (July 1980): 429-50
85. Ira Rutkow Surgery 1993
86. Rome an Empir's Story: Greg Woolf, Oxford University Press, New York, 1012
87. The Spartacus war: Baryy Strauss, Simon & Schuster Paper Backs, New York
88. Exodus, 21:20-21
89. What went wrong with Satyam: Prof. P.J Sharma, Delhi University, India
90. Enron And the Dark Side of Shareholder Value By William Wilson Bratton, Institute for Law and
91. Economics, University of Pennsylvania Law School
92. Securities and Exchange Commission Litigation Release No.

18044 / March 20, 2003
93. The Chairman: Kai Bird, Simon & Schuster, New York,1992
94. Fightslaverynow, World Bank and IMF
95. Prophet of Evil: William Romsey, Winged Victory Books, July 2012
96. Masters of Illusion: Catherine Caufield, Henry Holt Company, Inc New York, 1996
97. IMF and World Bank; agent of poverty or partners of develpoments: Lord Aikins Adusei, Mordern Ghana
98. Share the World's Resourses, 23,March, 2006 Institute for Policy Studies, by Khadija Sharif, April 14,09
99. Bureau of Justice Statistics, April 22, 2014 Alexia D. Cooper, Ph.D., Matthew R. Durose, Howard N. Snyder, Ph.D
100. Exporting Corruption: Dr. Susan Hawley,June 30, 2000

نیٹ معلومات

101. National Association of Drug Court Professional
102. U.s.department of Transportation, 2009 Data
103. American Safety Council
104. Sexual Assault Statistics, Justice Institute of British Columbia, 2013
105. worldbank.org, about us
106. imf.org, about us
107. George Barna, Unmarried America.com
108. Bemoneyaware blog by Kirti, 1
109. Crimeinamerica.net
110. An Overview of Sexual Offending in England and Wales Home Office and Ministry of Justice 10 January 2013
111. Office of National Statistics, Released on Feb, 2013
112. Unicef Report on Breastfeeding, Lancet,2013
113. Facts for Teens, NYVPRC Report, Page: 1
114. Historyworld.net, An evil of civilization
115. NRDC Report, August 2012, By Dana Gunders,
116. NPR , Food for thought By Eliza Barclay, Feb 27,2014

ڈاکٹر غلام زرقانی

ایک نظر میں

نام : غلام زرقانی

قلمی نام: نامؔی دہلوی

پیدائش: جمشید پور، ۴؍ جنوری ۱۹۶۸ء

والدگرامی: قائدِ اہلِ سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ و الرضوان

تعلیم :

انٹرمیڈیٹ آف سائنس	کریم سٹی کالج، جمشید پور
بی۔اے (اردو)	رانچی یونی ورسٹی
درس نظامی	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
بی۔اے (اسلامیات)	کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لیبیا
دراسات علیا (علوم قرآن)	کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لیبیا
ایم۔اے (عربی ادب)	جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
پی۔ایچ۔ڈی	جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
انفارمیشن ٹکنولوجی	بی۔سی۔سی۔آئی، ہیوسٹن

ذمہ داریاں: بانی وچیئرمین حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ، ہیوسٹن، امریکہ

صدر و مہتمم	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، انڈیا
امیر جامعہ	جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی
سربراہِ اعلیٰ	مرکزی ادارۂ شرعیہ، پٹنہ
مہتمم	اسلامی مرکز، رانچی
سرپرست	ضیاء الاسلام کولکاتا
سربراہِ اعلیٰ	جیلانی ایجوکیشنل ٹرسٹ، بلیا
صدر	تنظیم اہل سنت، جمشید پور
جنرل سکریٹری	رویت ہلال کمیٹی آف نارتھ امریکہ، امریکہ
مہتمم	باری مسجد، جمشید پور

مصروفیات:

خطابت	جامع مکہ مسجد، ہیوسٹن، امریکہ
اسسٹنٹ پروفیسر	لون اسٹار کالج، ہیوسٹن، امریکہ
کالم نگاری	روزنامہ ''انقلاب'' دہلی وغیرہ
تدریس	حجاز انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، ہیوسٹن
مدیرِ اعلیٰ	سہ ماہی ''آیات'' امریکہ و ہند سے نکلنے والا جریدہ

مشاغل : درس و تدریس، تصنیف و تالیف، خطابت، شعر و شاعری، ملی خدمات

قلمی خدمات: تقریباً پچاس سے زائد مقالات و مضامین اور تبصرے جو ہندوستان، امریکہ اور پاکستان کے رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

تصانیف

۱- فیضان القرآن (دل کش اُسلوب میں قرآنِ کریم کا ترجمہ بیانیہ)

۲- مساهمة غلام علی آزاد بلکرامی و اثرانه فی اللغة العربية و آدابها (عربی)

3. *Islamic Supplicatrion (Engllish)*

4. *Essence of the Quran (English)*

5. *Prophets in tke Quran (English)*

6. *Message of the Quran (English)*

7. *Message of the Hadith (English)*

8. *Fundamental Islamic Beliefs (English)*

9. *Authentic Way of Prayer (English)*

10. *Authentic Way of Fasting & Zakat (English)*

11. *Authentic Way of Hajj & Umrah (English)*

12. *Authentic Way of Marriage & Divorce (English)*

13. *Authentically Recognized Halal & Haram (English)*

۱۴- حدیثِ دل (نعتیہ مجموعہ)

۱۵- علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ اور دعوتِ اسلامی

۱۶- فکر و نظر کے دریچے (عالم اسلام کے حوالے سے پچاس عنوانات پر تبصرہ و تجزیہ)

۱۷- پیغمبر انسانیت (مغربی مصنفہ کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب پر تنقید)

۱۸- نقش خیال

۱۹- اسلام زدہ کیوں؟

۲۰- سوز دل (نعتیہ مجموعہ)

۲۱- حرفے حکایت (اچھوتے اسلوب میں اصلاحی قصص)

۲۲- حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کی حیات و خدمات

ترتیب، تخریج اور تقدیم

۲۳- تجلیاتِ رضا: علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴- خطباتِ اِستقبالیہ: علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۵- فقہ، حدیث اور جہاد کی شرعی حیثیت: علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶- عینی مشاہدات: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
۲۷- اظہارِ عقیدت: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
۲۸- بزبانِ حکایت: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
۲۹- شخصیات: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
۳۰- تفسیر اُمّ القرآن: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (مع اِضافہ وتکمیل)
۳۱- لسان الفردوس: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (مع اِضافہ وتکمیل)

زیر ترتیب

۱- الامن و العلی کی تلخیص وتسہیل: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (مع اِضافہ وتکمیل)
۲- صدائے قلم: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (خطوط کا مجموعہ)
۳- افکار ونظریات: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (مقالات کا مجموعہ)
۴- مطالعہ دیوبندیت: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (مع اضافہ وتکمیل)
۵- علم وآگہی: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (ملی مسائل پر بے لاگ تبصروں کا مجموعہ)

زیر تصنیف

۶- تفہیم خیالات (مقالات کا مجموعہ)
۷- ضربِ قلم (اِسلامیات پر مغربی مفکرین کے اعتراضات کا تعاقب)
۸- *Days of the Prophet* (انگریزی میں)

OOO
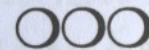
پاکستان میں
مصنف کی دیگر کتب کی اِشاعت

① تفسیر اُمّ القرآن
② پیغمبر اِنسانیت
③ فکر ونظر کے دریچے
④ فقہ، حدیث اور جہاد کی شرعی حیثیت
⑤ اظہارِ عقیدت
⑥ بزبانِ حکایت
⑦ شخصیات
⑧ تجلیاتِ رضا

زیر طبع

⑨ نقش خیال
⑩ لسان الفردوس
⑪ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور دعوتِ اسلامی
⑫ حرفِ حکایت
⑬ علم وآگہی
⑭ افکار ونظریات
⑮ حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کی حیات وخدمات

اِقبال کے دینی اور سیاسی افکار

ودیگر مضامین

رشحاتِ قلم

سیّد نور محمد قادری مرحوم

مرتب

سیّد محمد عبداللہ قادری

(زیرِ طبع)

دار الاحیاء

Understanding Islam

(An Introduction)

Compiled by:

Molana Usaid ul Haq Qadri

Edited & Translated by:

Dr. Amir ul Haque

will be print by

Dar ul Ihya

دِینی مدارِس

اور

عہدِ حاضر کے تقاضے

از

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

ہمدرد یونی ورسٹی، دہلی

دار الاحیاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی کے مضامین کا مجموعہ "اسلام زد پہ کیوں؟" اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، تاہم امریکہ کے سفر کے دوران اسے جستہ جستہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ علامہ صاحب نے معاصر اور معاند دنیا کے سامنے اسلام کا مقدمہ مثبت انداز میں اور استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن جب دل و دماغ پر عصبیت غالب آجائے اور معروضی Objective انداز میں تجزیہ کرنے کے بجائے موضوعی Subjective انداز اختیار کرلیا جائے اور نتائج پہلے سے طے شدہ Pre-Decided ہوں تو اصلاح کی توقع بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہر دور میں، نادر و کم یاب ہی سہی، ایک تعداد سلیم الفطرت لوگوں کی رہتی ہے، شاید انہیں اپیل کرے۔ اگر توقعات پوری نہ بھی ہوں تب بھی تاریخ کے ریکارڈ پر اپنا مقدمہ قوی دلائل کے ساتھ پیش کرنا ایک قابل تحسین امر ہے۔ میں علامہ صاحب کی علمی اور فکری مساعی کے نتیجہ خیز ہونے کے لیے دعا گو ہوں۔

المفتقر الی اللہ

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن